مہاراجے

جنتا پبلشرز لمیٹڈ لاہور

MC LIBRARY Nankana Sahib
Acc. NO: 00435NS
Date: 06-4-2022
Managed by Chughtai Public Library

891.4393
G112m

مہاراجے

مترجمہ

ظفر چوہدری

فہرس

پیش لفظ

مسٹر کے۔ ایل گابا کی مشہور تصنیف "ہز ہائی نس" کا ترجمہ آپ کے سامنے ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ بہت پہلے ہو جانا چاہیئے تھا۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو۔ کہ اس سے پہلے ریاستی مسئلہ نے یہ اہمیت اختیار نہیں کی تھی۔ جو آج اسے پیچیدہ آئینی الجھنوں کی بدولت حاصل ہو گئی ہے۔

آج ہندوستان آئینی ترقی کے ایک ایسے مرحلہ پر کھڑا ہے۔ جہاں ریاستیں اس کی لپیٹ میں آئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔

حضور والیانِ ریاست کو اپنے تخت و تاج کی فکر دامنگیر ہے ۔ پرجب ریاستوں میں ذمہ وار حکومت قائم کرنے پر تُلی ہوئی ہے ۔ ایسے نازک دور میں ضروری ہے کہ لوگ اس حقیقت سے واقف ہوں ۔ کہ یہ مہاراجے کون ہیں ۔ کہاں رہتے ہیں ۔ اور کس طرح رہتے ہیں ۔ اور اس کے برعکس ان کی پرجا کی کیا حالت ہے ۔

گابا صاحب کی اس کتاب میں ان تمام باتوں پر کھول کر روشنی ڈالی گئی ہے ۔ اس کتاب کو پڑھ کر ایک ریاست کی زندگی کا پورا نقشہ ہمارے ذہن کے سامنے آجاتا ہے ۔

میں یہاں گابا صاحب کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا جنہوں نے کمال مہربانی سے کام لے کر اس کتاب کو ترجمہ کرنے کے حق عطا فرمائے ۔ تاکہ عام لوگ آپ کی کوشش کے پھل سے فائدہ اٹھا سکیں ۔

کالج میں میرے ذہن میں اسے ترجمہ کرنے کا خیال پیدا ہوُا ۔ گجرات جیل میں اس نے عمل کا لباس پہنا ۔ جنتا پبلشرز کی محنت کے طفیل یہ آج آپ کے سامنے ہے ۔

مترجم
۲۹/۱۰/۴۴

MUNICIPAL LIBRARY
Nankana
Sahib.

دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکنا

ہندوستان کی سرحدات میں گھرے ہوئے علاقہ کا رقبہ ۱۷۷۳۰۰۰ مربع میل ہے۔ اور آبادی ۳۵۲۸۳۷۷۷۸ انسان۔ یا یوں کہئے کہ نسل انسانی کا پانچواں حصہ ہندوستان میں آباد ہے۔ لیکن اس رقبہ کا بیشتر حصہ براہ راست سرکار ہند کے نظم و نسق میں شامل نہیں۔ ریاستوں نے ۸۱۳۱۰۸۴۵ آبادی کے ساتھ ۶۷۵۰۰۰ مربع میل علاقہ کو نرغہ میں لے رکھا ہے۔ ریاستیں رقبہ اور آبادی میں ایک نہیں۔ ایک طرف ریاست حیدر آباد ہے۔ جس کی آبادی ایک کروڑ ۴۴ لاکھ انسانوں پہ مشتمل ہے۔ سالانہ آمدنی ۸½ کروڑ روپیہ اور رقبہ ۸۲۶۹۸ مربع ہے۔ دوسری طرف ریاست بلباری ہے۔ جس کی آبادی ۷۲ افراد

اور سالانہ آمدنی ۳۰۰ روپیہ - ان میں راجپوتانہ اور بڑودا کے خشک اور غیر متواضع علاقہ جات شامل ہیں جنہیں باغ ہند کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے - زرعی دولت سے مالا مال - میسور اور کشمیر جیسی ریاستیں شامل ہیں - جہاں غروب آفتاب شعلوں میں بدل جاتا ہے - اور زمرد الماس کے پہلو میں آرام کی نیند سوتا ہے -

"فطرت ہندوستانی ریاستوں میں نہایت سادہ مگر خوبصورت ترین لباس میں ظاہر ہوتی ہے - ہمالہ کی دوامی برف ایک جگہ جمع ہوتی ہے - اور مشرق کے سربستہ بھید اور ان کی قدیمی حکمت کو پاکیزہ سمجھ کر اپنی آغوش میں چھپا لیتی ہے - راجپوتانہ اور وسط ہند کے خشک میدان اپنے پہاڑی سلسلوں کے ساتھ اس اولوالعزمی اور رومان آمیز عہد کی یاد تازہ کرتے ہیں جو ابھی تک زندہ ہے - اور دلوں میں بلند خیالات و عزائم کی روح پھونکتی ہے - حیدر آباد کے میدان اور پہاڑ جواہرات - سونا، دریاؤں آبشاروں اور جنگلات میں مشہور ہیں - جو ابھی تک نامور تاریخی شخصیتوں کے نام گلا پھاڑ پھاڑ کر پکار رہے ہیں - دکن کے ستون نما سنگلاخ میدان مرتفع پہ غارت گر مرہٹے کہیں کھاتے، کہیں پیتے پرانی دہلی تک

فراٹے بھرتے آ پہنچے۔ مغرب میں کاٹھیاوار کی بندرگاہیں ہیں۔ جو اپنے مشغول و مصروف ترقی پسند شہریوں کے ساتھ منی پور کے جنگلات کی طرف اپنا بازو دراز کر رہی ہیں۔ جاوا کے قدیم باشندے عجیب و غریب رسومات و عادات کے مالک ہیں۔"
(ہٹلر کمیٹی صفحہ ۱۲)

"برطانوی ہند کئی صوبجات میں منقسم ہے۔ صوبوں میں صوبائی حکومتیں ہیں۔ جو آئے دن زیادہ سے زیادہ خود مختار بن رہی ہیں۔ مرکز میں مضبوط سنٹرل حکومت ہے۔ جسنے تمام صوبجات کو ایک لڑی میں پرو رکھا ہے۔ مرکزی حکومت آخری طور پر پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ ہے۔ مگر ۵۶۲ ریاستیں کسی ایک مرکز کے ماتحت نہیں ہیں۔ ہر ریاست کی اپنی علیحدہ حکومت ہے۔ جس کا دوسری ریاست کے نظم و نسق سے کوئی تعلق نہیں۔ باہمی تعلقات کی ترتیب و تنظیم کا کام خود ریاستوں کے ہاتھوں میں نہیں۔ یہ کام اقتدار اعلیٰ کے سپرد ہے۔ ابھی کل کی بات ہے۔ کہ ہندوستانی حکمرانوں کو حق حاصل ہوا ہے۔ کہ وہ ایک جگہ بیٹھ کر اپنے مشترکہ امورات پر بحث کر سکتے ہیں۔ اور مشترکہ شکایات

دور کرنے کے لئے متحدہ اقدام اٹھا سکتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان میں کوئی چیز مشترک نہیں۔ ماسوا اس بات کے کہ سب ریاستوں پر مطلق العنانہ حکومتیں قائم ہیں۔ صرف ایک آدھ لوگوں کے مفاد میں حکومت کرتی ہے۔ اس لئے انہیں ہندوستانی ہندوستان کہنا درست نہیں۔ اور نہ ہی یہ کہنا صحیح ہے۔ کہ وہ ایک سیاسی وحدانیت میں متحد ہیں" (برطانوی ہندوستان اور وسیع ہندوستانی ریاستیں)

اب ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ جسے ہندوستانی ہندوستان کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ایک سیاسی واحدانیت نہیں۔ بلکہ چھوٹی بڑی ریاستوں کا ایسا مجموعہ ہے۔ جو ایسا ہی مختلف الوضع اور مختلف العناصر ہے۔ جتنا کہ آپ تصور کر سکیں۔

ہندوستانی ریاستوں کے درپیش ایک سے مسائل نہیں۔ وہ ایک ریاست میں دوسری ریاست اور ایک ایجنسی میں دوسری ایجنسی سے بالکل مختلف ہیں۔ لیکن ان کا تجزیہ اس طرح کیا جا سکتا ہے۔ ۱) اندرونی نظام حکومت ۲) اقتدار اعلیٰ (برطانوی سرکار) سے تعلقات ۳) اقتصادی ترکیب و ترتیب۔ ہر مسئلہ

پر اس کے مناسب مقام پر تفصیل کے ساتھ بحث کی جائے گی۔ یہاں صرف یہ کہنا مقصود ہے کہ ایک ریاست کے حالات دوسری ریاست سے قطعاً مختلف ہیں۔ نظام کو اپنی ٹکسال میں سکّے بنانے کی اجازت ہے۔ ٹکٹ اور مہریں ریاست کی اپنی ہیں۔ حکمران ہر لحاظ سے خود مختار ہے۔ اور بقول کرنل ٹرنچ وہ خود جاگیرداروں سے روپے فراہم کرتا ہے۔ ہم ان حقائق سے یہ فیصلہ نہیں دے سکتے۔ کہ ریاست لوہارو اسی آئینی حیثیت کی مالک ہے۔ اور نہ ہی اس بات کو بنیاد ٹھہرا کر کہ میسور اور ہردوار نے اصلاحات نافذ کر دی ہیں۔ یہ فرض کر سکتے ہیں۔ کہ ریاستوں کی اکثریت اسی راہ پر گامزن ہے اور بحیثیت مجموعی ان کا نظامِ حکومت بہت بہتر ہے۔ چونکہ ریاستوں میں تحریک عدم تعاون موجود نہیں۔ اس لئے یہ فرض کر لینا بھی سراسر غلط ہے۔ کہ ریاستوں میں بداطمینانی کا وجود نہیں اور لوگ خوشحال ہیں۔ یا کسی ریاست کا صدر مقام باغ عدن کا جواب ہو۔ تو یہ نہ سمجھ لیں کہ رعایا کی حالت بہت اچھی ہے۔ اگر کوئی مہاراجہ صاحب گفتگو انگریزی میں کرتے ہیں۔ تو ضروری نہیں۔ کہ آپ ترقی یافتہ بھی ہوں اور اگر کہیں مجلس قانون ساز کھڑی کر دی گئی ہے۔ تو یہ محض دھوکا کی ٹٹی ہو گی۔

ریاستوں کی اہمیت کا اندازہ بالعموم ان کی آبادی اور رقبہ سے لگایا جاتا ہے۔ ریاستی ہند گلگت سے راس کماری تک پر پھیلائے ہندوستانی آبادی کے پانچویں حصہ پر مشتمل ہے۔ اور رقبہ کے اعتبار سے اندازہ لگایا جائے۔ تو ہندوستان کا تیسرا حصہ بنتا ہے۔ مسٹر نکلسن ہندوستان کے سیاسی لوگوں کے متعلق تحقیر آمیز خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ اور مہاراجگان کی شان میں رقمطراز ہیں۔ "سوراجیوں کی آواز کا اثر نہایت محدود ہے۔ حکومت دوعملی کے ماتحت محکمہ جات منتقلہ تو ہندوستانیوں کے سپرد کر دئے گئے۔ مگر ۲۵ کروڑ انسانوں میں سے جن لوگوں کو حق رائے دہندگی حاصل ہوا۔ ان کی تعداد صرف ۷۵ لاکھ تھی۔ سوراجی پارٹی یا ہوم رول لیگ وغیرہ متوسط طبقہ کے چند تعلیم یافتہ افراد پر مشتمل ہے۔"

شاید یہ درست ہو۔ کہ ۷۵ لاکھ انسان ۲۵ کروڑ انسانوں کی صحیح نمائندگی نہیں کر سکتے۔ مگر ریاستی ہند کی حالت ملاحظہ ہو۔ ریاستی مسئلہ ۷۵۰۰۰ ۶ مربع میل یا آٹھ کروڑ آبادی کا مسئلہ نہیں۔ یہ مسئلہ ہے پانچ سو حکمرانوں کا۔ یا یہ کہئے کہ چند مطلق العنان فرعونوں کا مسئلہ

یہ ان کے محلات باغات، مستورات، تفریحات اور رنگ رلیوں سے شاید ہی قدرے زیادہ کا مسئلہ ہو۔ آج سے ایک صدی قبل جان بل نے چند ریاستوں کی فرمانروائی اور سالمیت کے تحفظ کی ضمانت دی تھی۔ یہ ہی ضمانت رجعت پسندی کی بند خلیج ہے۔ جس پر بیسویں صدی کی تند امواج کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ اور اس نے آج تک قرون وسطیٰ کے اخلاق و بربریت کو پناہ دے رکھی ہے۔

ہٹلر کمیٹی ہندوستانی ریاستوں کا نقشہ اس طرح کھینچتی ہے ایک طرف ریاست حیدرآباد ہے جس کی آبادی ایک کروڑ چالیس لاکھ انسانوں پر مشتمل ہے۔ رقبہ ۸۲۶۹۸ مربع میل اور سالانہ آمدنی ۸½ کروڑ روپیہ ہے۔ دوسری طرف کاٹھیاوار کی معمولی معمولی جاگیریں ہیں۔ جن کے رقبے چند ایکڑوں سے زیادہ نہیں۔ اور بعض حالتوں میں ریاست کی سالانہ آمدنی ایک معمولی معمار کی آمدنی سے زیادہ نہیں۔ ان میں چند ریاستیں اقتصادی سیاسی اور انتظامی اعتبار سے ترقی پسندانہ کیریکٹر کی مالک ہیں۔ جبکہ چند اور نیم جاگیردارانہ اور سرقبیلی ریاستیں ہیں۔ جو ابھی تک قرون وسطیٰ کی یادگار بنی ہوئی ہیں۔ ٹراونکور اور میسور سی ریاستیں۔ اور خالص مطلق العنانہ حکومت کی ترجمان ریاستیں شامل ہیں۔ البتہ ایک چیز

سب میں مشترک ہے۔ وہ یہ کہ حکومت برطانوی ہند کے قانون کے ماتحت نہیں کیجاتی"۔ اگرچہ ایک ریاست کے حالات دوسری سے مختلف ہیں۔ اور حکمران اپنی ذات میں کوئی چیز مشترک نہیں پاتے پھر بھی چند عمومی اور وسیع خصوصیات ایسی ہیں جن پر اس کتاب کا مضمون تیار کیا گیا ہے۔

نظام کی سلطنت آبادی رقبہ اور سالانہ آمدنی کے اعتبار سے سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ ریاست حیدرآباد کی سالانہ آمدنی باقی تمام ریاستوں کی مجموعی آمدنی سے دوگنا زیادہ ہے۔ بلحاظ رقبہ ریاست اٹلی کے برابر ہے۔ اگرچہ وقت کے مطابق اس نے اتنی ترقی نہیں کی جتنی کرنا چاہیئے تھی یا کر سکتی تھی۔ بایں ہمہ ریاست کی حکومت مجموعی طور پر غیر تسلی بخش نہیں۔ آبادی کی بھاری اکثریت ہندو ہے اور حکمران مسلمان ہے۔ نظام اپنے ہم مذہب بھائیوں کی طرح ازبس کفایت شعار ہے۔ بلکہ یہ اندازہ لگانا آسان نہیں کہ ہنری فورڈ زیادہ امیر ہے یا نظام ہنری فورڈ نے ٹین کی موٹر کار سے ایک مخصوص جذبہ کے ماتحت غیر معمولی دولت کے ڈھیر اکٹھے کر لئے۔ نظام نے سونے اور

جواہرات کے ناقابلِ یقین انبار نہایت غیر معمولی طریقوں سے فراہم کئے ہیں۔ دولت فراہم کرنے کے یہ طریقے اپنی مثال آپ ہیں۔

میسور تمام ریاستوں میں بہترین نظم و نسق کی مالک ہے۔ اس چیز نے اُسے قابلِ رشک شہرت بخش دی ہے۔ مِس فٹزرے جو ایک طویل عرصہ تک وائسرائیگل کورٹ سے منسلک رہی ہیں رقمطراز ہیں۔ "میسور کا حکمران ہی ایک ایسا مہاراجہ ہے۔ جس نے صحیح معنوں میں لوگوں کو آئین تفویض کر رکھا ہے۔ اور جس کا راج غیر معمولی طور پر روشن اور ترقی پسندانہ ہے"۔

میسور کی تاریخ نہایت رومان انگیز ہے ۱۸۳۱ میں ریاست کی حکومت برطانوی سرکار نے اپنے ہاتھوں میں لی۔ ریاست کی مالی حالت افسوس ناک طور پر ابتر تھی۔ ۵۰ سال بعد ۱۸۸۱ میں ریاست کی حکومت پرانے خاندان کے سپرد کر دی گئی۔ البتہ دستور کے مطابق ضروری عہد و پیمان باندھ لئے گئے۔ اس وقت سے میسور اپنے قدرتی ذرائع اور نمائندہ اداروں کو فروغ دینے کے لئے شاہراہ ترقی پر گامزن ہے۔ اکثر لوگ اس رائے کے مالک ہیں۔ کہ کئی لحاظ سے میسور اور ٹراونکور کی ریاستیں اپنے نظام حکومت میں برطانوی ہند سے بھی کئی قدم آگے ہیں۔ میسور

ٹراونکور اور ایک آدھ اور مستثنیات ہیں اس کتاب کا سروکار مستثنیات سے نہیں۔ ہمارے سامنے عام ریاستی راج ہے ٹراونکور اور میٹور وغیرہ کا ذکر اس لئے کیا جاتا ہے کہ موازنہ میں آسانی رہے اور قارئین اندازہ لگا سکیں۔ کہ کیا ہونا چاہیئے تھا۔ مگر موجود کیا ہے۔

ریاست جموں وکشمیر بھی اچھی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس کا آغاز قراقوم سے ہوتا ہے۔ جہاں تین سلطنتیں ایک دوسرے سے ہم کنار ہوتی ہیں۔ اور پنجاب کو چھو کر ختم ہو جاتی ہیں۔ ریاست کا رقبہ ۸۰۰۰۰ مربع میل ہے۔ مگر آبادی ایک مربع میل میں چالیس افراد سے زیادہ نہیں۔ سالانہ آمدنی ۲½ کروڑ روپیہ ہے۔ ریاست کی آمدنی اس اندازہ سے بہت کم ہے۔ جس کا ذکر ریاست کے حوالے میں کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ کشمیر پر ایک عرصہ سے برطانوی حکومت کی نگاہیں ہیں۔ غیر اغلب نہیں۔ کہ ریاست موجودہ لاولد حکمران کی وفات پر برطانوی سلطنت میں شامل کر لی جائے۔ پھر اسے بھی ریاست کنیڈا کی طرح ہڑپ کر لیا جائیگا۔ (اس میں شک نہیں کہ لوگوں کے مفاد میں حکومت ہند زیادہ اہم ریاستوں میں براہ راست نمائندگی کرتی ہے۔ لیکن کم اہم ریاستوں میں یہ فریضہ کئی ایجنسیوں کے سپرد ہے۔ ریذیڈنٹ یا پولیٹیکل

ایجنٹ ریاستوں میں اپنی طاقت کیونکر استعمال میں لاتے ہیں۔ اس موضوع پر کسی آئندہ باب میں تفصیل کے ساتھ بحث کی جائے گی۔ لیکن عام دستور یہ ہے کہ ایجنسیاں ریاست کے اندرونی نظم و نسق میں ٹانگ نہیں اڑاتیں۔ البتہ جن امور میں اقتدارِ اعلیٰ کی دلچسپی ہو۔ ریذیڈنسی کی سرگوشیاں ریاست کے لئے گرج بن جاتی ہیں۔

راجپوتانہ ایجنسی کئی ایجنسیوں پر مشتمل ہے۔ اور ۲۲ ریاستوں میں اقتدارِ اعلیٰ کے مفادات کی نگرانی کرتی ہے۔ ان میں اہم ترین ریاستیں جودھ پور۔ اودے پور۔ جے پور اور بیکانیر وغیرہ ہیں۔ الور کو لیجئے۔ ملازمت حاصل کرنے کے لئے مہاراجہ صاحب کی خدمت میں درخواست کے ساتھ اپنی تصویر ضرور بھیجنا پڑتی ہے (جو واپس نہیں لوٹائی جاتی) بھرت پور جس کے مرحوم سابق حکمران مشہور نادہند تھے۔ لاوا جس کی آبادی ۲۰۰۰ افراد ہے۔ اور رقبہ ۱۹ مربع میل۔

وسط ہند۔ ایجنسی میں اندور سب سے مشہور ہے۔ اندور یکے بعد دیگرے تین حکمرانوں کے معزول ہونے کا شاندار ریکارڈ رکھتی ہے۔ موخر ترین حکمران حسین و شعلہ رخ ممتاز بیگم کے قضیہ

معزول ہوئے۔

بھوپال مسلمان ریاستوں میں حیدرآباد کے بعد سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ حکمران ایک گریجوایٹ نوجوان ہیں۔ یہی آپ کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ آپ دنیا میں پولو کے بہترین کھلاڑیوں میں سے ہیں۔ اور سال میں چار ماہ اسی کھیل پر وقف کرتے ہیں۔

بمبئی پریذیڈنسی میں ۶۳۰۸۲ مربع میل علاقہ ہندوستانی حکمرانوں اور سرداروں کے قبضہ میں ہے۔ بمبئی میں ریاستوں کی سب سے بھاری خصوصیت یہ ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی ۱۵۱ عملداریوں میں منقسم ہیں۔ ان بیشمار حلقہ ہائے حکومت کو اس لئے تسلیم کر لیا گیا کہ بمبئی میں اولیں منتظموں نے ان جاگیرداروں کے اپنے علاقوں پر دیوانی اور فوجداری اختیارات تسلیم کر لئے۔ جنہیں تقریباً نیم شاہانہ درجہ حاصل تھا۔ ہندوستان کے کسی حصہ میں اس طرح عملداریوں کی کثرت نہیں۔ ان میں بڑی بڑی تو حال ہی کی پیداوار ہیں۔ انہیں مرہٹوں نے حصولِ طاقت کی معمولی کشمکشوں کے دوران میں جنم دیا۔ مگر گجرات ایجنسیوں کے راجپوت اس سے قبل کے ہیں۔ کچھ، کاٹھیاواڑ اور جیسلمیر، ان میں قدیم تاریخ کے دلچسپ آثارات ملتے ہیں۔ وہاں اجنبی سردار ابھی

تک آباد ہیں۔ جو کئی بحری بیڑوں کے حبشی امیر البحر تھے۔ ماہی ربڈ کے درمیان ڈانگ اور دیگر پہاڑی علاقوں میں قدیم سرداروں کو نہایت محدود اختیارات حاصل ہیں۔

سرکار برطانیہ اور ریاستوں کے درمیان باہمی تعلقات کی بنیاد مختلف معاہدہ جات اور گوناں گوں عہد و پیمان ہیں۔ اس لئے سرکار ہند اقتدار اعلیٰ کی حیثیت میں ریاستوں پر نگرانی رکھتی ہے۔ یہ فریضہ بڑی بڑی ریاستوں میں ایجنٹ یا ریذیڈنٹ بھیج کر ادا کیا جاتا ہے۔ جو ریاستی درباروں میں اقتدار اعلیٰ کی نمائندگی کرتے کرتے ہیں۔ غیر اہم اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں کسی ایک پولیٹیکل ایجنٹ کے زیر نگرانی ایک گروہ میں اکٹھی کر دی گئی ہیں۔ یا یہ کام ریاستوں سے ملحقہ اضلاع کے کلکٹروں کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ ایجنٹ کی حیثیت ہر ریاست میں مختلف ہے۔ اس کی پوزیشن کا انحصار ریاست کی اہمیت پر ہے۔ چند ریاستوں میں اس کا کام صلاح و مشورہ تک محدود ہے۔ کہیں عام نگرانی کرتا ہے کہیں وہ براہ راست حکومت کے نظم و نسق میں حصہ دار ہے۔ اس کے بعد وہ ریاستیں آتی ہیں۔ جن کے حکمران سن بلوغ تک نہیں

پہنچے۔ وہاں حکمرانی براہ راست حکومت ہند کے افسران کے ہاتھوں میں ہے۔ چند ریاستیں دوسری ریاستوں کے ماتحت ہیں۔ ان کا براہ راست حکومت ہند سے کوئی رشتہ قائم نہیں ہے۔ البتہ جاگیرداروں کا درجہ سرکار ہند مقرر کرتی ہے۔ جاگیرداروں کے اختیارات رسم و رواج اور عہد و پیمان سے منضبط کئے گئے ہیں۔ سب سے نچلا درجہ دیہات میں حصہ پر مالیہ فراہم کرنے کا حق ہے۔ اس درجہ کے جاگیرداروں کو فوجداری یا دیوانی حق حاصل نہیں۔ ماہی کانٹھا اور دیوا کانٹھا ایجنسیوں کے جاگیردار اسی درجہ کے مالک ہیں۔

حکومت بنگال کے ماتحت سب سے اہم ریاست کوچ بہار ہے۔ حکمران نابالغ ہے۔ قائم مقام حکمران اس کی ماں ہے۔ مہارانی صاحبہ کو لندن سوسائٹی میں خاص ناموری اور شہرت حاصل ہے۔ اور راج پر بندھ زیادہ تر وہیں سے چلاتی ہیں۔ جہاں آپ شکار کھیلتی ہیں۔ ہوا میں سیر کرتی ہیں اور اپنے طبقہ کی روایات کے مطابق زندگی بسر کرتی ہیں۔

پنجاب میں تیرہ سلامی دار ریاستیں ہیں۔ ان پر ۱۹۲۱ء میں پولیٹیکل محکمہ کی نگرانی قائم ہوئی تھی۔ نہایت قابل ذکر پٹیالہ۔ نابھہ بہاولپور، کپورتھلہ اور منڈی ہیں۔ سب سے بڑی ریاست

پٹیالہ ہے۔ جس کے اعزاز میں ۱۲ توپوں کی سلامی دی جاتی ہے۔ اس کے حکمران عاشق مزاج، فیاض اور مجلس مہاراجگان کے موجودہ چانسلر ہیں۔ ریاست پٹیالہ مذکورہ تمام ریاستوں کے مجموعی رقبہ کے ۱/۱۶ اور مجموعی آبادی کے ۱/۴ پر مشتمل ہے نیز ان سب کی آمدنی اسکی آمدنی سے نصف ہے۔ بہاولپور نے حال ہی میں نام پیدا کیا ہے۔ اور اس کا سبب نئی نہر سے آبپاشی کی اسکیم سے فائدہ اٹھانا ہے۔ مہاراجہ جیند ہندوستان بھر میں بہترین سگ خانوں کے مالک ہیں۔ اور آپ کے کتے کئی کئی ہزار بلکہ لاکھوں روپیہ کی قیمت کے ہیں۔ مہاراجہ پٹیالہ کو لیجئے۔ آپ نے تمام ہندوستانی حکمرانوں سے زیادہ یورپ کی سیر کی ہے۔ اور دنیا کے بڑے بڑے درباروں سے خطابات حاصل کئے۔

صوبجات متحدہ میں رامپور گڑھوال اور بنارس شامل ہیں۔ ان میں کوئی بھی قابل ذکر حکومت کی مالک نہیں۔ مہاراجہ بنارس اپنی ناعاقبت اندیشیوں کے لئے بدنام ہیں۔

تجربہ کیا جائے تو چالیس ریاستیں ایسی نظر پڑتی ہیں جنہیں بڑی ریاستوں کے زمرہ میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ یا یوں کہیئے کہ

جن کی سالانہ آمدنی دس لاکھ روپیہ ہے۔ یا اس سے زیادہ مسر وِلڈس آف پیلپلز سوسائٹی کے ایک فاضل رکن کی درجہ بندی کے مطابق ۵۶۲ ریاستوں میں سے ۴۵۴ ایسی ہیں جنکا رقبہ ۱۰۰۰ مربع میل سے کم ہے ۴۵۲ کی آبادی ۱۲ لاکھ سے کم ہے اور ۳۷۴ کی ایک لاکھ سے کم صرف ۳۰ ریاستیں ایسی ہیں جن کی آبادی رقبہ اور ذرائع ایک اوسط درجہ کے برطانوی ضلع کے مساوی ہیں ۱۵ ریاستوں کی سلطنت ایک مربع میل پر قائم ہے۔ جن میں تین ۱۰۰ آبادی سے زیادہ کی مالک نہیں۔ پانچ کی سالانہ آمدنی ۱۰۰۰ روپیہ ہے۔ کم سے کم سالانہ آمدنی ۲۰ روپیہ ہے اور کم سے کم آبادی ۳۰ افراد بتائی گئی ہے۔

ریاستوں کے انتظامی معاملات پر آگے چل کر اس کے مناسب مقام پر بحث کی جائے گی۔ یہاں اتنا کہہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اوسط درجہ کی ہندوستانی ریاست عیش و تفریح پسند امراء عالمگیر سیاحوں سرمایہ پسند معلموں۔ سیر و تفریح میں سرگردان معزول ڈیوک اور آپ کی ملکہ کے لئے کافی دلچسپی و کشش کے سامان رکھتی ہے۔ یہاں مہاراجے اور سردار رسم و رواج کی پابندیوں سے آزاد اور ہمسایوں کی تانک جھانک سے دور انتہائی لاپرواہی سے دادِ عشرت دیتے ہیں۔ عیاشیاں کرتے ہیں۔

اور روپیہ پانی کی طرح بہاتے ہیں۔ اکثر حقائق جو ان بے اعتدالیوں اور فضول خرچیوں کی ترغیب دیتے ہیں۔ عصرِ حاضر کے اسس مقولہ کی پیداوار نہیں "کہ یہ معیوب فعل نہیں"۔ یہ قرونِ وسطےٰ کی تاریک اور گندی آبادیاں ہیں۔ جہاں کسی انسان کی حیثیت کا اندازہ اس کی عورتوں کی تعداد سے لگایا جاتا ہے۔ کسی ریاست کی تاریخ مکمل نہیں۔ اگر اس کا رشتہ شہوت پرستیوں، فضول خرچیوں، اصراف اور بدمعاشیوں کے لاتناہی واقعات سے منسلک نہ ہو۔

موجودہ دنیا میں ہندوستانی ریاستوں کی حکومت عجوبہ روزگار ہے۔ یعنی سیاسیات کی ان ناپختہ اشکال کی گئی گزری مثال ہے۔ جنہیں باقی ہندوستان ایک عرصہ سے ترک کر چکا ہے۔ عصر حاضر کی دیگر بادشاہتوں سے متعلق عرض ہے۔ کہ بلا استثنا، ان کے اختیارات پا پولہ پارلیمنٹوں نے ازراہ کرم اپنے ریزولیشنوں کے ذریعہ محدود کر رکھے ہیں۔ رعایا کو امورات عامہ کے نظم و نسق میں خاص آواز حاصل ہے نظم و نسق کی کمی طاقت کے ذریعہ پوری کی جاتی ہے۔ بہتر مشینری کی جگہ تحکمی نہ غلبہ سے کام نکلتا ہے۔ اور مجالس آئین سازی کی جگہ ایک ایسا ذوق بروئے کار ہوتا ہے۔ جو ساز

بازاور رعایا کو کھلے بندوں محکوم بنانے میں مشغول رہتا ہے۔ دنیا کا وجود اس لئے عمل میں نہیں آیا۔ کہ نظم و نسق پر سرگردانی کی جائے۔ بلکہ اس لئے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ یہ حالات زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ ریاستوں سے معدوم ہو رہے ہیں مگر مکمل طور پر ابھی تک کسی ریاست سے معدوم نہیں ہوئے ہندوستانی حکمران صرف اپنی رعایا پر ہی ہر لحاظ سے مطلق العنان نہیں ہیں۔ بلکہ تمام آئین و قوانین پر بھی مطلق العنان ہیں۔ قدیم حکمرانوں کی یہی حالت تھی۔ مگر آئین و قوانین پر ان کا ایسا غلبہ نہ تھا۔ یہ حالات واقعی ہندوستانی قومی یا فیڈرل حکومت کے لئے پُرازخطرات معلوم ہوتے ہیں۔

سماج دیگر ہیئات اجتماعی کی طرح ارتقا کے ذریعہ ہی تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ ارتقا انقلاب کا تریاق ہے۔ پبلک دستور میں مجلسی دستور کا وجود موجود ہے۔ یہی مجلسی دستور اسے جنم دینے کا سبب ہوتا ہے۔ جابر حکمران کی سنگینیں، فوری احکام اور خودمختار اکثریت کی تازہ ترین طاقت...... ان چیزوں پر قوم کی ترقی کے مجموعی کیریکٹر کا دارومدار ہے۔ بادشاہ کے سامنے رعایا کی وفاداری کا اصل سبب طاقت ہے۔ اور ان کا باہمی رشتہ۔ یا یوں کہیئے۔

کہ نافرمان افراد کو سزا دینے کا حق حکمرانوں کو سونپ دیا گیا ہے۔ طاقت کی ترتیب و تنظیم میں لوگوں کی عام عادات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ کبھی کبھا طاقت طعن و تشنیع کا شکار بن جاتی ہے۔ تو توپیں احمقوں کی آخری دلیل کا کام دیتی ہیں۔ لازوال بہتر حکومت ایسے قوانین کا لحاظ رکھ کر بنائی جاتی ہے۔ جن کا سرچشمہ قوم کی عادات ہوں۔ ایسی حکومتوں کا دارومدار حکمرانوں کی مسلح طاقت پر نہیں ہوتا۔ بلکہ رعایا کی خوشنودی اصل بنیاد ہوتی ہے۔ اس لئے ان کی طاقت غالب نسل یا برقرار اقلیت کی طاقت نہیں ہوتی۔ بلکہ ہر ایک آوازہ اکثریت کی طاقت ہوتی ہے۔ حکومت اس لئے موجود ہوتی ہے۔ کہ لوگوں کی فلاح و بہبودی میں حرکت کرے۔ ایسی حکومت لوگوں کے ذاتی حقوق کے ماسوا کسی چیز کو تسلیم نہیں کرتی۔ جو بادشاہ لوگوں کی خدمت کرتے ہیں۔ بلا خوف و خطر مسند حکومت پر سرفراز رہتے ہیں۔ بادشاہ جمہور لوگوں کی مجموعی خوشنودی پر ہی زندہ رہ سکتا ہے۔

جان بل کے عہد و پیمان میں کوئی چیز ایسی نہیں۔ جسے ہندوستانی ریاستوں سے متعلق پیش کیا جا سکے۔ ابھی کل کی بات

ہے کہ براق محل سے حضور شہنشاہ سلامت نے ۸ فروری ۱۹۲۱ء
کو ایک فرمان شاہی جاری کیا۔ جس میں ہندوستانی حکمرانوں سے
کئے گئے وعدوں کو ایک بار پھر دہرایا گیا۔

"اپنے سابقہ فرمان میں ہم نے اس بات کو ایک بار پھر دہرایا
کہ ہم ان عہد و پیمان پر قائم ہیں۔ جو ہم اور ہمارے پیش رو
ہندوستانی حکمرانوں سے کہہ چکے ہیں۔ اور ہمارا یہ عزم صمیم ہے۔ کہ
ہندوستانی حکمرانوں کے اعزازات، حقوق اور مراعات ہمیشہ
برقرار رہیں گے۔ حکمران مطمئن رہیں۔ کہ ہمارا یہ حلف ناقابل
تنسیخ ہے۔"

مگر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ۱۹۲۱ء کا اعلانِ شاہی بھی دوسرے
وعدوں کی طرح حکومتِ ہند کے ریکارڈ خانوں کی تہوں میں ہمیشہ
کے لئے گم ہو گیا۔ ۱۹۲۱ء و ۱۹۲۸ء کے درمیان نابھہ اور اندور
کی دو بڑی ریاستوں کے حکمران تخت سے معزول کئے گئے۔ (جو
بہ صورت دیگر رضاکارانہ دست برداری کے نام سے مشہور ہے)۔
اودھے پور کو حکومت میں بنیادی تبدیلیاں لانے کے لئے
مجبور کیا گیا۔ حضور نظام نے اپنے بیش قیمت صوبہ کی واگذاری کی
درخواست گزارنے کی جسارت کی جو نازک حالات میں نظام

سے چھینا گیا تھا) تو دھتکار کر تمام شیخی کرکری کر دی گئی۔ نیز بھرت پور کے انتظامی امور کی تحقیقات کا فیصلہ صادر فرمایا گیا۔ (اس نے معزولی سے کس طرح جان بچائی۔ یہ چیز ابھی تک ایک معمہ بنی ہوئی ہے) کئی اور ریاستوں کو بھی "مقتدر طاقت" کی طرف سے ایسے بے بہا تحفے عطا فرمائے گئے۔ جن کے لئے پولیٹیکل محکمہ کافی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ ریاستوں نے مشترکہ طور پر سر لیزلے سکاٹ کو کثیر رقم دے کر انگلستان بھیجا کہ وہ اس بات کی توضیح و تشریح کرا لیں۔ کہ مشفق و مہربان مقتدر طاقت کے اختیارات کی حدود کیا ہیں۔

اس کتاب کے رقم کرنے سے ہمارا مقصد پولیٹیکل محکمہ کی حمایت نہیں۔ اور نہ ہی ہم اُس کثیر رقم کو لالچ کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ جو پچھلے چند سالوں میں مہاراجگان کی تبلیغی تنظیم کے ذریعہ انفرادی اور مشترکہ حیثیت میں تقسیم کی جا چکی ہے۔ کیونکہ یہ بھاری دولت ان کے ہم کیش قانون دانوں کی جیبوں میں نہ جاتی تو یہ امر واقع ہے۔ کہ اس کا تصرف یا تو طبقہ امرا کے سرپرستوں پہ ہوتا۔ یا پیرس کی اعلیٰ سوسائٹی میں عورتوں کے پاجامے کھولنے پر۔

ریاستیں ہندوستان کے سیاسی آسمان کی دھندلی تصویر ہیں۔ ملکہ معظمہ کے مشہور شاہی اعلان کے بعد ایک عرصہ تک ریاستیں وقت کی تند امواج کی رو میں بند خلیج تھیں گاہے بگاہے پرانے عہد و پیمان پر قائم رہنے کا اعلان دہرایا جاتا۔ مگر عنانِ حکومت زیادہ تر حکومت ہند کے محکمہ خارجیہ اور اور پولیٹیکل محکمہ کے سپرد تھی۔ بایں ہمہ جنگ ۱۹۱۴ء نے صورتِ حالات بدل دی۔ جان بل کو سبزہ زار چھوڑنا پڑا۔ اور خوشنما وادیوں میں گھر بسایا۔ اب اُسے نئے رفقا اور انوکھے احباب ملے۔ جن میں آسٹریلیا کے غلہ بان تھے۔ اور ہندوستانی شہزادے۔ غلہ بان سرگرمی اور مستعدی کا نمونہ تھے۔ شہزادے فضول خرچیوں میں اپنی مثال آپ تھے۔ دونوں نے برطانوی شہزادی کا دل موہ لیا۔

بیچارے جان بل نے جنگ تو جیت لی۔ مگر چین کھو بیٹھا متحدہ امریکہ نے برآمد بڑھانا شروع کی۔ افغانستان نے اقساط ادا کرنے سے ہاتھ روک لیا۔ جرمنی نے یورپ میں کوئلہ کی منڈی پاٹ دی۔ اور گاندھی جی نے رسیدوں پہ ہاتھ صاف کیا۔ جنگی قرضہ اٹھا لینا تو آسان کام تھا۔ مگر بیباک کرنا سوہان روح ہو گیا۔ اور

وعدے چکانا کٹھن مہم۔ ہندوستانی والیانِ ریاست سے محبت بقول گیری بالڈی ایک عجیب احساس کمتری و برتری کا مرکب تھی۔ کمتری اس لئے کہ چند سرکاری حلقوں میں انہیں ایسے تعصبات کا سامنا کرنا پڑا۔ کہ وہ بالکل برہنہ ہو گئے۔ برتری اس لئے کہ خواہ وہ بذات خود جاگیرداروں سے اونچے درجہ کے مالک نہ تھے۔ مگر وہاں اپنے آپ کو چھوٹے موٹے بادشاہ محسوس کرنے لگے۔

اب ریاستوں کے سامنے بالکل نئے مسائل تھے۔ اور وہ دو نمایاں خصوصیات میں نئے تھے۔ اول مقتدرہ طاقت سے برادرانہ تعلقات کا قیام۔ ثانیاً برطانوی ہندوستان کے بکھیڑوں میں مداخلت دو اداروں پر دست درازی کرنے سے ہندوستانی مدبرانِ نے جان بوجھ کر گریز کیا ہے یعنی ہندوستانی ریاستیں اور دفاع ہند، وہ مطمئن ہیں۔ کہ ریاستیں برطانوی ہند کی ترقی کی راہ میں حائل نہیں۔ سر وشوا سوامی آئر نے آل انڈیا لبرل فیڈریشن (۱۹۲۶ء) کے اجلاس میں ارشاد فرمایا۔

"چند ہندوستانی سیاستدان ریاستوں کو برطانوی ہند کے دوش بدوش کھڑا کرنے پر بیتاب ہیں۔ اور وہ اس نصب العین کو تکمیل کا جامہ پہنانے کے لئے زیادہ سرگرمانہ اقدام اٹھانے کی

تجاویز پیش کر رہے ہیں۔ میرے دل میں ان کے ایسے مقاصد کے لئے انتہائی عزت موجود ہے۔ اور مجھے ان سے پوری ہمدردی ہے۔ پھر بھی میرا یہ پختہ یقین ہے۔ کہ ہمارے لئے بہترین طریقہ کار عدم مداخلت کی پولیسی پر کاربند رہنا ہے"۔

اگرچہ ہندوستانی مدبر ریاستی معاملات میں حصہ لینے سے گریز کرتے ہیں۔ مہاراجگان کے مشیر برطانوی ہند کے ہر معاملہ میں ٹانگ اڑانا اپنا حق خیال کرتے ہیں۔ نظام حیدرآباد کے متعلق مشہور ہے کہ آپ کو فرقہ دارانہ مسائل سے خاص دلچسپی ہے۔ یہی مسائل ہیں جنہوں نے ہندوستان کی پر امن فضا میں ایک عرصہ سے ارتعاش پیدا کر رکھا ہے۔ بہاولپور کے نواب صاحب نے اپنے ایک پبلک بیان ۱۵ مئی ۱۹۳۰ء کے دوران میں ارشاد فرمایا "جس ابتری اور بے آئینی کی طرف بے سمجھ عوام الناس کو دھکیلا جا رہا ہے وطن کے ہر سچے خیر خواہ کو اس پر خون کے آنسو بہانا چاہیں"۔ بنارس کے مہاراجہ صاحب نے اپنی ایک تقریر کے دوران میں جو کافی شہرت حاصل کر چکی ہے ۱۹۱۹ء کے تجربہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

00 435 NS

کہ آپ نے ایسے حالات کی پچاس سال قبل ہی پیش بینی کر لی تھی۔ جس کا خاتمہ ناپسندیدہ اور ناگوار ہی ہو سکتا ہے۔ یہ سن کر لارڈ سہنا نے کہا "میرے لئے انتہائی حیرت و استعجاب کا مقام ہے کہ ریاستی حکمران برطانوی ہند کے سیاسی مسائل پر رائے زنی کریں۔ پہلے تو یہ کیفیت نہ تھی"۔

مگر اب دنیا بدل چکی ہے۔ اکثر والیان ریاست اس رائے کے مالک ہیں۔ کہ سرکار برطانیہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا آسان ذریعہ رجعت پسندانہ خیالات کا ساتھ دینا ہے۔ اور شاہراہ آزادی میں روڑے اٹکانا۔ جس پر برطانوی ہند گامزن ہے۔

دنیا کو الو بنانا بڑا دشوار کام ہے۔ مگر معقول مالی ذرائع، ہمدرد سامعین، بظاہر معقول شکایت اور اسے بیان کرنے کے آسان طریقے حاصل ہوں۔ تو کوئی وجہ نہیں دنیا یقین نہ کرے۔ مجلس مہاراجگان اتنی حیثیت کی مالک ہے کہ بہترین ذرائع اُس کے زیر اثر ہوں۔ اس کے علاوہ شہنشاہیت ہے۔ جس کے عروج کا سورج ہندوستان میں غروب ہو رہا ہے۔ شہنشاہیت کے لئے مجلس کی امداد و اعانت حاصل کرنا ضروری ہے۔ سرکار

برطانیہ کے دفتر خارجہ کے ریکارڈ خانوں میں معاہدوں کی اہمیت ہوائی وعدوں سے زیادہ نہیں وائٹ حال کے ذرا یع قریبًا قریبًا لازوال ہیں۔ مہاراجگان نے سنہری مواقع کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دئے۔

لیکن دنیا کو یہ یقین دلانے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ کہ ریاستی ہندوستانی سیاسیات میں ایک عرصہ سے مشکلات کا شکار ہو رہی ہیں۔ حکومت ہند بڑی بیرحمی سے تمام عہد و پیمان کو پامال کر رہی ہے۔ رعایا خوشحال و فارغ البال اور مطمئن ہے۔ مہاراجے بذات خود کم غیر منصفانہ مصائب کا شکار بن رہے ہیں۔ جمہوریت انہیں دل و جان سے عزیز ہے۔ کفایت شعاری ان کا شعار ہے۔ حکومت لوگوں کے مفاد میں کی جاتی ہے۔ اور نظام حکومت روز افزوں ترقی پر ہے۔

اگر چند ٹیکنیکل خامیاں بنا بنایا کام نہ بگاڑ دیں۔ تو تمام کام نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام پاتا رہے۔ اگر وییسرائے صاحب آنکھوں پر پٹی اور کانوں میں انگلیاں ڈال لیں۔ قتل ہوشیاری اور باقاعدہ تجویزہ پروگرام کے مطابق کئے جائیں، اور تمام کاروائیاں نہایت پابندی اور نہایت مستعدی سے عمل میں لائی جائیں۔ تو

کروڑہا ریاستی رعایا کا مستقبل کتنا شاندار بن جائے۔ لیکن ڈیڑھ لاکھ پونڈ مسٹر الف کی شخصیت کا تقدس برقرار نہ رکھ سکے۔ ایک عورت کی کمزور چیخ نے بھرت پور گدی کی بنیادیں ہلادیں۔ اندور کو اس لئے گدی سے معزول ہونا پڑا۔ کہ ممتاز بیگم داستان سنانے کو موجود تھی۔ کبھی کبھار کوئی طوفان اٹھتا ہے۔ بجلی چمکتی ہے۔ اور تیز ہوا کا ایک جھونکا سربستہ اسرار سے پردہ اٹھا دیتا ہے۔ دنیا کو محسوس ہوتا ہے۔ کہ ریاستوں میں حالات خوشگوار نہیں۔

والیان ریاست ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ اور اپنی تمام سرگرمیوں کا رُخ اسی طرف پھیر دیتے ہیں۔ کہ دنیا ان سے متعلق کم سے کم علم حاصل کر سکے۔ مجلس مہاراجگان ایک ایسی تنظیم ہے۔ جس کے ذریعہ مشترکہ طور پر سچائی پر پردہ ڈالنے کی مساعی عمل میں لائی جاتی ہیں۔ یہ مجلس اس درخواست کی پیداوار ہے۔ جو مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات کمیٹی کے سامنے ایک ایسی انجمن کا وجود عمل میں لانے کے لئے پیش کی گئی تھی۔ جو پولیٹیکل سیکرٹری کے ساتھ اس بات کی وضاحت کے لئے تعاون واشتراک عمل کر سکے کہ محکمہ مذکور کی عام پولیسی والیان ریاست کی خواہشات

اور جذبات کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مناسبت و موافقت رکھتی ہے مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ میں والیانِ ریاست کی بنیادی تجاویز تسلیم کر لی گئیں

"ہم ایک مستقل مشاورتی انجمن بنانے کے حق میں ہیں۔ چند مسائل براہ راست ریاستوں سے متعلق ہیں۔ مگر متعدد مسائل ایسے ہیں۔ جن کا بحیثیت مجموعی سلطنتِ برطانیہ سے تعلق ہے یا برطانوی ہند اور ریاستوں سے ایک سا تعلق رکھتے ہیں۔ ہماری رائے میں ایسے مسائل پر غور کرنے کے لئے مذکورہ بالا انجمن نہایت مفید ثابت ہوگی۔ وائسرائے اس قسم کے سوالات انجمن کے سامنے رکھ دیا کریں گے۔ اور ہمیں ان کی مشترکہ رائے معلوم کرنے کا فائدہ حاصل ہو جائے گا۔ نیز ہم یہ بھی ضروری خیال کرتے ہیں کہ انجمن کا اجلاس بلانے میں باقاعدگی سے کام لیا جائے۔ اور وائسرائے کے منظور کردہ ایجنڈا پر غور کرنے کے لئے مجلس کا اجلاس سال میں ایک بار لازماً منعقد ہو۔ اس سلسلہ میں ہماری ایک تجویز یہ ہے۔ کہ مجلس متعلقہ کے تقرر کے لئے مجلس مہاراجگان کا اجلاس ہر سال طلب کیا جائے۔ جس کے سامنے وائسرائے یا پولیٹیکل عملہ خصوصی رسومات سے متعلقہ مسائل سامنے لا سکیں"۔

۱۹۲۱ء کے موسم بہار میں رسمی طور پر مجلس مہاراجگان کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اور ایک شاہی اعلان کے ذریعہ اس کے اغراض و مقاصد و اختیارات کی توضیح کر دی گئی۔

"ہمارا وائسرائے ان مسائل سے متعلق مجلس مہاراجگان سے مشورہ لیتا رہے گا جو بالعموم ریاستوں سے متعلق ہیں۔ اور جو برطانوی ہند اور برٹش ایمپائر پر اثر انداز ہو سکتے ہوں۔ مجلس مہاراجگان کو کسی ایک ریاست کے اندرونی نظم و نسق میں دخل اندازی کا قطعاً حق حاصل نہ ہوگا۔ اور نہ ہی مجلس ریاستوں کے موجودہ نظام یا آزادیٔ عمل پر حملہ کرنے کی مجاز ہوگی"۔

سرسری طور پر یہاں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا کہ مجلس مذکورہ ۱۲۰ اراکین پر مشتمل ہے۔ جن میں ۱۰۸ خود آپ اپنے نمائندہ ہیں۔ اور ۱۲۷ ریاستوں کے نمائندے کُل ۱۲ ہیں۔ جبکہ ۳۲۷ ریاستیں حق رکنیت سے محروم ہیں۔ حیدر آباد۔ بڑودہ اور میسور ایسی کئی اہم ریاستیں کبھی مجلس کی کاروائی میں شامل نہیں ہوئیں۔ اگرچہ سابقہ اجلاس سے متعلق یہ دعوےٰ کیا گیا تھا۔ کہ اس کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ تھی۔ کہ اس میں سب بڑی بڑی ریاستیں شامل ہوئیں۔

سنہ ۱۹۲۹ء تک مجلس مہاراجگان کا اجلاس بند کمروں میں ہوتا رہا۔ مگر اس کے بعد مجلس کے دروازے پبلک اور پریس کیلئے کھول دئے گئے۔

مجلس کی گیلریاں تو لوگوں کے لئے کھلی چھوڑ دی گئیں۔ مگر کاروائی اس کمال کے ساتھ مختصر کر دی گئی۔ کہ گھنٹوں کا کام منٹوں میں ختم ہونے لگا۔ اور ساز باز کا شعبہ مجلسِ متعلقہ کو سونپ دیا گیا۔

مجلسِ مہاراجگان نے زیادہ لسّان اور فصیح البیان ممبران کے لئے سنہری موقع فراہم کر دیا کہ وہ نکتہ رس پولیٹیکل ایجنٹوں کی عائد کردہ پابندیوں سے پلّہ چھڑا سکیں۔ چونکہ انہیں ایک نہایت شاندار باتونی انجمن مل چکی تھی۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اس کے اختیارات محض مشاورتی تھے۔ والیان ریاست کو تقریر جھاڑنے کی جگہ مل گئی۔ سرکار ہند کے دربار میں براہِ راست باریابی حاصل کرنے کا موقع ہاتھ آگیا۔ ان کی چیخ و پکار پریس میں سنائی دینے لگی۔ حاصل کلام یہ کہ اس نے اپنے تمام ممبران کو موقعہ بہم پہنچا دیا کہ ہندوستان کے دارالخلافہ میں اپنے پولو کے ٹٹوؤں پر سیر کریں۔ اور بیش بہا

جواہرات کی نمائش کریں۔ کرنل پالول رقمطراز ہیں۔

"صرف ہفتہ عشرہ کے قیام کے لئے حضور مہاراجہ صاحب تین سو میل دور سے دو دو درجن وزرائے وزارت، درباری افسر، ایڈی کانگ، سیکرٹری، سینکڑوں ملازم، محافظ دستہ، تیس غیر معمولی کاریں۔ اور چھ پولو کے ٹٹوؤں کا لشکر اپنے ساتھ لائے تھے۔

بٹلر کمیٹی مجلس مہاراجگان کی اہم ترین مساعی کا نتیجہ ہے۔ اس کمیٹی کے ذریعہ انہوں نے ناموری اور آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد کی۔ آگے چل کر ہم کمیٹی مذکورہ کی رپورٹ سے مقتدر طاقت کے فرائض، حقوق اور قانونی معاہدات پر نہایت تفصیل کے ساتھ تبصرہ کریں گے۔ یہاں اتنا ذکر کر دینا ہی کافی معلوم ہوتا ہے کہ تحقیقات پر صرف شدہ رقوم کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔ والیانِ ریاست کی طرف سے کئی قانون دان مشیروں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اور یہ مشہور امر ہے کہ سر لیزلے سکاٹ کی فیس اتنی معقول تھی۔ کہ آج تک کسی قانون دان کو اتنا محنتانہ حاصل نہیں ہؤا۔ والیان ریاست کے ذاتی مصرفات اس کے ماسوا ہیں جو اسی سلسلہ میں قیام

لندن کے دوران میں انہیں صرف کرنا پڑے۔ انفرادی حیثیت میں صرف شدہ رقوم اور ریاستوں کے سرکاری خزانوں سے ادا کردہ روپیہ کا اندازہ ایک ایسے فرد نے لگایا ہے۔ جو والیان ریاست کے وفد کے ساتھ تھا۔ اس کے تخمینہ کے مطابق تحقیقات پہ دس لاکھ پونڈ سے زیادہ صرف ہوئے۔ بایں ہمہ بٹلر کمیٹی توقعات پہ پوری نہ اتری۔ رپوٹ پڑھ کر والیان ریاست سٹ پٹا اٹھے۔ اور "غیر ضروری متضاد بالذات" کے ریمارکس کسے گئے۔

اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ کہ والیان ریاست نے بٹلر کمیٹی سے استفادہ حاصل کرنے میں اپنے بس کے تمام ذرایع صرف کر ڈالے۔ انگلستان میں مقیم وفد اور مجلسِ مہاراجگان کے مابین خط وکتابت اس بات پر کافی روشنی ڈالتی ہے۔ کہ مجلس کے مطالبات پر زور دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔

۱۵ رجولائی ۱۹۲۸ء کو مجلس کے صدر کی حیثیت میں مہاراجہ الور نے ممبران کے نام حسب ذیل اپیل کی۔

"کیا مجھے بقیہ محنتانہ کی ادائیگی کے لئے آپ کو اپیل کرنے کی ضرورت ہے۔ کہ آپ کو تمام اثر ورسوخ اپنے بھائی بند مہاراجگان کی امداد ومعاونت حاصل کرنے پر صرف کر دینا

چاہیئے۔ جون کے اختتام تک ساڑھے تین لاکھ اور اگست میں ½ ۲ لاکھ روپیہ جمع کرنا پڑا۔ مجھ سے جو کچھ بن پڑتا ہے۔ سرانجام دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا۔ اس سلسلہ میں میں نے ہز ہائی نس مہاراجہ بیکانیر، بھوپال اور ہاکسر کو تاریں بھی ارسال کی ہیں"۔

"اتنے دور دراز سے اپنے ذاتی اثر و رسوخ سے فائدہ اٹھا سکنا بہت مشکل کام ہے۔ لیکن اس حقیقت کے پیش نظر کہ معاملہ مجموعی حیثیت سے ہمارے دستور کے لئے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ اور یہ کہ بٹلر کمیٹی دراصل وائسرائے نے مجلسِ منتظمہ کی تجاویز پر اس کانفرنس میں مقرر کی جس میں ہمیں شمولیت کی دعوت وائسرائے صاحب نے دی تھی۔ اس کے علاوہ سر لیز لے کو ہم نے اپنی دعوت میں مدعو کیا تھا۔ ممکن ہے۔ چند ایک مہاراجگان نے کسی ایک یا دوسری بنا پر اس کی تائید نہ کی ہو۔ مگر مجھے حسن ظن ہے کہ آپ اپنے دستور کے مفاد میں اپنی شاہانہ فیاضیوں کا رخ اس طرف پھیرنے کی کوشش کریں گے۔ اور مجھے اطلاع دیں گے۔ کہ آپ کس قدر چندہ عنایت کرنا چاہتے ہیں۔ اگر پہلے عنایت کر چکے ہیں۔ تو اس

میں اور کیا اضافہ کریں گے"۔
پروفیسر رشبروک ولیم نے انتہائی کوشش کی کہ قلتِ فنڈ کی بناپر جو حالت زار والیانِ ریاست کی تھی۔ اس پر پردہ ڈال سکیں۔ لیکن حقیقت آشکارا ہوکر رہی۔ اور ان کے دستی خطوط اور تاروں کی بھرمار نے تمام راز فاش کر دیا۔ لہٰذا اس موضوع پر بحث و تبصرہ کی ضرورت ختم ہوگئی۔
ایکٹ تحفظ مہاراجگان گورنر جنرل نے اپنے خاص اختیارات سے کام لے کر نافذ کیا۔ ہندوستان کے طول و عرض میں اُس کے خلاف زبردست احتجاج کیا گیا۔ اس قانون کا مقصد والیانِ ریاست کو برطانوی ہندبیں پریس کے حملوں سے محفوظ رکھنا تھا۔ مگر حق کی بات تو یہ ہے کہ اس پر سرے سے عمل ہوا ہی نہیں۔ شاید بعض اوقات کسی اخبار کے ایڈیٹر کے خلاف کھلی عدالت میں استغاثہ دائر کرنا پسند کیا گیا ہو۔ اس بناپر کہ اُس نے ریاستی نظم و نسق کی بے مزہ تفاصیل پر روشنی ڈالنے کی جسارت کی ہے۔ لیکن عام طور پر عدالت میں مقدمہ چلانے کی پولیسی سے گریز کیا جاتا ہے۔ بالخصوص ایسی حالت میں جب ایڈیٹر کے پاس دلچسپ مسودات موجود ہوں۔ اس لئے ریاستیں عموماً یہ

روش اختیار کر ئی ہیں ۔ کہ منہ پھٹ اخبارات کو ہڈی دے کر چپ کرا دیا جاتا ہے ۔ چند اخبارات نے اسے ریاستوں سے روپیہ اینٹھنے کا ذریعہ بنا لیا ہے ۔ لکھوکھا روپیہ ہی اس بات پر صرف کر دیا جاتا ہے ۔ کہ از منہ وسطےٰ کے مطلق العنانوں اور اخلاقی مجرموں کی نیک نامی بحال رہے ۔ سچائی پر پردہ پوشی کے منفی پہلو کے ساتھ ساتھ اس کا مثبت پہلو بھی ہے ۔ وہ یہ کہ ایک خاص تنظیم قائم ہے ۔ جس کا ذکر ہم اس کتاب کے صفحات میں پہلے بھی کر چکے ہیں ۔ اس تنظیم کا فرض یہ ہے ۔ کہ وہ ہندوستان میں والیانِ ریاست کے حق میں پراپیگنڈا کرے ۔ اس سلسلہ میں ممبران مجلس کے نام حضور چانسلر صاحب کا خفیہ سرکلر قارئین کی دلچسپی کے لئے یہاں درج کیا جاتا ہے ۔

"یہ ایک کھلی حقیقت ہے ۔ کہ آج پریس کو بے پناہ طاقت حاصل ہے ۔ اور ہندوستانی ریاستوں کے مفاد کو اس بنا پر کافی دھکا لگا ہے کہ ہمیں پریس کے ذمہ وار ترجمانوں کے ذریعہ اپنا نکتہ نظر پیش کرنے کی سہولتیں میسر نہیں ۔

"بلا شبہ یہ کمی تمام ریاستوں نے محسوس کی ہے ۔ اور اس مسئلہ پر مجلس مستقلہ کے ممبران مہاراجگان نے غور کیا ہے ۔ لہذا

انہوں نے پریس کے کسی ایسے ذمہ وار اور موثر ترجمان کی ضرورت محسوس کی ہے۔ جسے ہندوستان کے ترقی پسندانہ مفاد سے دلچسپی ہو۔ اور جو اپنے کالم ریاستی مسائل سے متعلق مقالات اور خبروں پر وقف کر رہا ہو۔ اس لئے مجلس متعلقہ نے دہلی کے ایک سرکردہ انگریزی روزنامہ "ڈیلی کرانیکل" کی اعلان کردہ پولیسی کا خیر مقدم کیا ہے۔ اس اخبار نے علاوہ دوسری چیزوں کے اسس بات کا اعلان کیا ہے۔ کہ وہ ترقی پسندانہ ریاستوں کے نکتہ خیال کو پیشِ نظر رکھے گا۔ ان کی اصلاحی اور مفید سرگرمیوں کا پراپیگنڈا کرے گا۔ اور حسبِ ضرورت صلاح و مشورہ دیتا رہے گا۔ جھوٹی اور شر انگیز خبروں کی تردید کرے گا۔ اور ملک میں ان تمام عناصر کی ترجمانی کرے گا۔ جو انقلاب کے مقابلہ میں ارتقا کے حامی ہیں۔

"بنابریں دہلی کے سابقہ اجلاس میں حاضر ممبران مجلس مستقلہ نے "ڈیلی کرانیکل" کا خریدار بننا منظور فرمالیا ہے۔ اور ہر ممکن امداد و معاونت کا وعدہ کیا ہے۔ اسی غرض کو سامنے رکھ کر میں آپ کی خدمت میں یہ سرکلر ارسال کر رہا ہوں۔ اور التجا کرتا ہوں۔ کہ آپ بھی اخبار مذکورہ کی متعدد کاپیوں کے خریدار بن کر اُسے اپنی امداد اور

سرپرستی سے سرفراز کریں۔ اور اخبارات کی ایسی فہرست میں شامل کریں۔ جسے ریاست کے سرکاری اشتہارات اور نوٹس وغیرہ حاصل کرنے کا شرف حاصل ہے۔ نیز ہر دوسرے ذریعہ سے جسے آپ ممکن سمجھیں اس کی امداد کریں۔ میں آپ کا خاص طور پر شکر گذار ہوں گا۔ اگر آپ نے میرے اس سرکلر کا حوالہ دے کر ڈائریکٹر اسٹیٹس پبلسٹی "ڈیلی کرانیکل" سے خط و کتابت کی تکلیف اٹھائی"۔

نئی پراپیگنڈا انجمن کی ایسی سرگرمیوں کی تفصیل جو اس کے قیام کی خاطر عمل میں لائی گئیں حسب ذیل سرکلر میں موجود ہے۔ سرکلر بھی خفیہ ہے اور چانسلر نے ممبران کے نام ۲۹ فروری ۱۹۲۹ء کو ارسال کیا تھا۔

"بلاشبہ آپ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ کچھ ناپسندیدہ طاقتیں ہمارے دستور اور نظام کے خلاف غلط فہمیاں پیدا کرنے میں مشغول ہیں۔ ہماری پوزیشن ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ہم اخباری جھگڑوں میں الجھتے رہیں۔ اور بیہودہ پریس کی لامعنی باتوں کا انفرادی حیثیت سے جواب دیتے پھریں لیکن آج جب کہ ہمارے خلاف قطعی بے بنیاد الزامات عائد

کئے جا رہے ہیں۔ ہماری خاموشی کا مطلب بالکل غلط لیا جائے گا۔ ہندوستان و انگلستان میں ایک خاص تنظیم کی سرگرمیوں کا تجربہ ہمیں اس ضرورت پر اور زیادہ زور دینے کو مجبور کرتا ہے کہ بڑی احتیاط اور ہوشیاری سے اس ناپاک پراپیگنڈا کا جواب دیا جائے۔ جو ہمارے خلاف جاری ہے۔ چنانچہ میں نے ایک افسر خصوصی اس فرض پر متعین کر دیا ہے۔ کہ وہ ریاستوں سے متعلق تمام اخبارات سے اقتباسات اکٹھے کرے۔ اور پھر وہ اقتباس جس ریاست سے متعلق ہو اُسے وہاں پہنچا دے۔ تاکہ اس کے متعلق مناسب کارروائی عمل میں لائی جا سکے۔ جب کسی ریاست کو کسی بات کی تردید کی ضرورت محسوس ہو یا کسی ریاست کی ان سرگرمیوں کا اخبارات میں ذکر کرانا مقصود ہو۔ جو ریاست مذکورہ رعایا کی بھلائی میں عمل میں لا رہی ہو۔ تو میرا سیکرٹری اُسے پریس ایجنسی کے ذریعہ چھپوانے کا انتظام کرا دے گا۔

”جن اخبارات سے اقتباسات لئے جائیں گے۔ ان کی فہرست آپ کو اس سرکلر کے ساتھ ارسال کی جا رہی ہے۔ میں از بس ممنون ہوں گا۔ اگر آپ کسی ایسی اخبار کا نام تجویز کریں جو اس فہرست میں شامل نہیں۔ اور جسے حضور ہز ہائی نس اپنی ریاست

کے لئے خاص دلچسپی کا موجب خیال کرتے ہیں۔ نیز اگر آپ سابقہ اجلاس کے فیصلہ جات کیمطابق کسی کو اپنی ریاست میں محولہ بالا فرض پر معمور کریں۔ تو اس کی مجھے ضرور اطلاع دیں۔ تاکہ میں زیادہ آسانی سے اپنے فرائض کو سر انجام دے سکوں۔"

اب ۱۸ جنوری ۱۹۲۹ء کے سرکلر کا مطالعہ کیجئے گا۔

"مجھے کشمیر کے سابق وزیر خارجہ سر ایلبین بینرجی نے اپنے سرکلر کی کاپی ارسال کی ہے۔ جس میں آپ نے اس رائے کا اظہار کیا ہے۔ کہ آپ انگلستان میں ایک ماہوار یا پندرہ روزہ میگزین کے ذریعہ ہندوستانی ریاستوں کے حق میں پراپیگنڈہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اس غرض کے لئے ریاستی معاملات پر میگزین مذکورہ میں مضامین لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ سرکلر کے علاوہ آپ نے مجھے ایک خط بھی لکھا ہے۔ جس میں مجھے کہا ہے کہ میں ان کی امداد و معاونت کروں۔ آپ کے خط اور مجوزہ سکیم پر مارچ اجلاس میں غور کیا گیا تھا۔ اجلاس مذکورہ میں کافی غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا تھا۔ کہ والیان ریاست سر موصوف کی مجوزہ تجویز کی ہرگز حمایت نہ کریں۔

"عین ممکن ہے کہ سر موصوف قبل ہی فرداً فرداً آپ کی

خدمت میں امداد کے لئے لکھ چکے ہوں۔ اس لئے میں آپکی خدمت میں یہ لکھ رہا ہوں کہ والیان ریاست نے دہلی اجلاس میں باقاعدہ طور پر ایسی تنظیم کے اجرا کی تجویز کی تھی۔ جو انگلستان و ہندوستان میں پراپیگنڈا کا کام دے سکے۔ اس تنظیم کا سنگ بنیاد پچھلے سال ۱۹۲۸ء میں رکھا جا چکا ہے۔ اور اس کے فیصلہ کے مطابق نہایت سرگرمی سے اپنا کام بھی شروع کر دیا ہے۔ سر سڈنی نے ایک عمدہ رسالہ شایع کیا ہے۔ جو جلد آپ کی خدمت میں پہنچ جائے گا۔ آپ کو سر روشن بروک ولیم کی اس غرض کے لئے ہر طرح حوصلہ افزائی کرنا چاہیئے۔ جو انگلستان میں ہماری طرف سے اس فرض پر معمور ہیں۔ وہ ہمارے سامنے باقاعدہ جواب دہ ہے۔ اور ہر طرح ہمارے نظام کے ماتحت ہے۔ ہمارا خیال ہے۔ کہ کسی آزاد انسان کی امداد کرنا خالی از خطرہ نہیں ہے۔ چونکہ جو مسالحہ حضور ہز ہائی نس اُسے فراہم کریں گے وہ اگر ایسا کرنے پر تل آئے۔ تو ہمارے خلاف بھی استعمال کر سکے گا۔ ہمیں پر اکتفا نہیں۔ پراپیگنڈا کے لئے کھڑی کی گئی نئی متوازی مشینری ہماری سرکاری تنظیم کی خطرناک حریف ثابت ہو سکتی ہے؟

۱۸ اپریل کے خط میں مندرجہ الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں - اور یہ خط کسی تنقید یا رائے کا محتاج نہیں -

شاید آپ یہ سوال کریں - کہ آخر اتنی وسیع سرگرمیوں اور اتنی گراں بہا تنظیم کی ضرورت کیا ہے - کیا اس کا قیام اس غرض سے عمل میں لایا گیا ہے کہ ان معاہدہ جات کو تسلیم کرایا جائے - جو فراموش کئے جا چکے ہیں - یا اس کا مقصد یہ ہے - کہ والیانِ ریاست اپنے جائز حقوق حاصل کر سکیں - یا کوئی ایسا راز موجود ہے - جس پر پردہ پوشی ضروری ہے - یا یہ محض نعمت خانہ کے ڈھانچہ ہیں - یا کیا اس خاص تنظیم کا مدعا دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے ماسوا کچھ اور ہے -

دوشیزائیں قابلِ ترجیح ہیں

دنیا میں کوئی دو انسان ایک سے نہیں۔ یہی کیفیت والیانِ ریاست کی ہے۔ آپ کہیں دو ریاستی حکمران ایسے نہیں ڈھونڈ سکتے۔ جو بالکل ایک سے ہوں۔ اخلاقی اعتبار سے ہر انسان اپنی خصوصیات میں یقیناً ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ایک طرف میسور کے مہاراجہ صاحب ہیں۔ آپ کبھی ہندوستان کے باہر نہیں گئے۔ اس کے باوجود آپ کا نظام حکومت نہایت عمدہ اور ترقی پسندانہ ہے۔ دوسری طرف ایک ایسے والیِ ریاست ہیں۔ جو ہندوستان میں صرف چار ماہ بسر کرتے ہیں۔ اور ان میں بھی ایک مہینہ کلکتہ میں کرسمس کی بہار دیکھنے کی نظر

ہو جاتا ہے ۔ اس کے باوجود آپ کا دستورِ حکومت قرونِ وسطیٰ کی یادگار ہے ۔ ایک والیِ ریاست ایسے ہیں جو اپنی موٹر کاروں پر رعایا کی تعلیم سے چار گنا زیادہ صرف کرتے ہیں ۔ ایک اور ایسے ہیں ۔ جن کی خدمت میں درخواستِ ملازمت بھیجنے کے لئے اپنی تصویر بھی ساتھ ارسال کرنا پڑتی ہے ۔ چند ایسے ہیں جن کی حکومت میں عقدِ نابالغاں جرم ہے ۔ چند اور ایسے ہیں جو اپنی سات سالہ لڑکیوں کو اپنی خواہشات کا شکار بنانے میں دریغ نہیں کرتے ۔ اب ایک اور مثال ملاحظہ ہو ۔ ایک والیِ ریاست نے اپنی بیوی اس گناہ کی پاداش میں قتل کرا دی کہ اس نے حضور مہاراجہ صاحب کے سامنے اپنے بھائی کی شہوانیت پر قربان ہونے سے انکار کر دیا ۔ چند ایسے ہیں جن کی ایک ایک بیوی ہے بیسیوں ایسے ہیں جن کی عورتوں کا شمار نہیں ۔ ایک والئے ریاست اپنے والد بزرگوار کی اہلیہ محترمہ کے حسن کی بہار لوٹتے ہیں ۔ ایک اور ایسے ہیں ۔ جنہوں نے اپنی تین سو، سوتیلی مائیں ۳۵ روپیہ فی کس کے حساب سے فروخت کر دیں ۔ ایک مہاراجہ صاحب ایسے ہیں جن کے رونقِ دل کا سامان دو فلم ایکٹریس ہیں ۔ اکثر ایسے ہیں ۔ جو دوشیزاؤں سے لطف اٹھانا اپنا جائز

حق سمجھتے ہیں۔ چند اور ہیں جنہوں نے ازدواجوں اور اموات پر ٹیکس لگا رکھے ہیں۔ دیگر چند عورتوں پر خوبصورت لونڈوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ کچھ اخلاقی اور شہوانی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایسے والیانِ ریاست کی تعداد بہت کم ہے۔ جو کسی قسم کے تجربات یا امتحانات سے نہیں گذرتے۔ بلاشبہ ان کی زندگیوں کے ساتھ کروڑہا نوعِ انسان کی قسمت وابستہ ہے۔ بایں ہمہ ان میں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بمشکل چند ایسے نکلیں گے۔ جو اپنے ذاتی اوصاف پر فخر سے سربلند کر سکتے ہوں یا ایسے اخلاق کے مالک ہوں۔ جو انسان کو بادشاہت کے فرائضِ منصبی سنبھالنے کے قابل بناتا ہے۔

ولیعہد کے لئے یہ ضروری نہیں۔ کہ مرحوم والیٔ سلطنت کے آباؤ اجداد کی نرینہ اولاد سے ہو۔ متبنّہ بھی منصب شاہی پر سرفراز ہو سکتا ہے۔ اور وہ بھی جو بالواسطہ شاہی نسل سے ہو۔ البتہ اس سلسلہ میں یہ امر نہایت ضروری ہے۔ کہ سرکار ہند کے پولیٹیکل و خارجیہ محکمہ جات اسے باقاعدہ طور پر تسلیم کر لیں۔

پولیٹیکل محکمہ ولیعہد کی پیدائش سے ہی اس کی ذات میں گہری دلچسپی لینا شروع کر دیتا ہے۔ اس کی غور و پرداخت پر معمور دایہ پر کڑی نگرانی رکھی جاتی ہے۔ اور ایسے وقت کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ جب والئے حکومت کی نگاہ پسند دایہ کو اپنی آغوش کی زینت بنا لیتی ہے

پیدائش اور دادھیالی مقرر ہو جانے کے بعد ولیعہد کے لئے قابلِ ذکر "بچپنہ" کا آغاز ہوتا ہے۔ اگر نرس جس نے ننھے ولیعہد کو بطن ماں سے دنیا میں لایا ہو۔ محل کے دل پھینک سور ماؤں کی نگاہوں سے بچ نکلے۔ تو وہیں رہنے پر رضامند ہو جاتی ہے۔ یا با ایں ہمہ اگر ایسا ہو بھی جائے۔ اس کا وہاں ٹھہرنا دشوار ہوتا ہے۔ مہارانی اُسے محل بدر کرنے کا خود انتظام کر لیتی ہے۔ کیونکہ گورا رنگ ہمیشہ خطرات کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ نرس کے رخصت ہو جانے بعد حضور ولیعہد بد صورت لیکن وفادار آیا کے سپرد کر دئے جاتے ہیں۔ کیونکہ شاذ و نادر ہی کوئی خوبصورت عورت والئے ریاست کی توجہات کا مرکز بننے سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ پھر جب کوئی عورت خواص کے درجہ پر سرفراز ہو جاتی ہے۔ تو اس کے لئے یہ

کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوتی۔ کہ ولیعہد کو اپنے راستہ سے ہٹانے کے لئے اس کا قصہ ہی پاک کرادے۔ تاکہ اپنے بطن میں تیار کردہ نئی ایڈیشن کو اس کی جگہ دے سکے۔

لہذا ایک حکمران دو مشکلات کی آغوش میں پرورش پاتا ہے۔ اولاً تو اس کی پیدائش اور اس کا حکومت ہند کی طرف سے باقاعدہ طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ثانیاً حریفوں کے ساتھ عہدہ برآ ہوتا ہے۔ ماں اُسے حریص اور بدنظروں سے محفوظ رکھتی ہے۔ پھر اس کی تیسری برسی کو شاہانہ رسومات کا آغاز ہوتا ہے۔ اس روز ریاست میں تعطیل عام ہوتی ہے پروہت ہمایوں نصیب شہزادہ کو مذہبی رسومات سے گذارتے ہیں۔ قربانیاں ہوتی ہیں۔ جس سے پروہت اور پجاری مالا مال ہو جاتے ہیں۔ شہر میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ عدالتیں بند کر دی جاتی ہیں۔ سکول چھٹی مناتے ہیں۔ ننھا شہزادہ سونے کی گاڑی میں سوار جسے آراستہ پیراستہ زربفت گھوڑے کھینچ رہے ہوتے ہیں۔ رعایا کو اپنی خسروانہ ذات باصفات کے درشن دیتے ہیں۔ ولی عہد کی ماں نہایت مسرور و خوش

ہوتی ہے۔ لیکن حرم میں اس کی سوکنیں دانت پیستی ہیں۔

حضور ولیعہد ایک دفعہ رعایا کو درشن دے کر فوراً اہم شخصیت بن جاتے ہیں۔ اور جوں جوں وقت گذرتا ہے۔ اسے اس حقیقت کا زیادہ احساس ہوتا جاتا ہے۔ ملازمائیں سورج و چاند کی طرف اشارہ کر کے اسے بتاتی ہیں۔ کہ یہ اس کا سلسلہ نسب ہے۔ وہ اُسے رنگین اور خوش نما لبادوں سے مزین کرتی ہیں۔ اور اس کے کانوں میں قیمتی جواہرات آویزاں کئے جاتے ہیں۔ ریاستی افسران کے بچے اسے کورنش بجا لانے کو حاضر ہوتے ہیں۔ جن کے ساتھ گا ہے بگاہے اسے اپنی طاقت کے جوہر دکھانے کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ جب وہ دروازہ سے باہر نکلتا ہے۔ پہرہ دار جھک کر آداب بجا لاتے ہیں۔ لوگ اس کے سامنے جھکتے ہیں۔ اور تمام گرد و پیش اس کی ترنگ کا احترام کرتا ہے۔ جب رقاصائیں کئی خم و پیچ کھا کھا کر سریلی آواز میں ترنم آمیز عاشقانہ گیت گانے میں مشغول ہوتی ہیں اور اس کا والدِ محترم ان کی جھلکتی زلفوں اور ان کے لعلین لبوں سے بوس و کنار ہوتا ہے۔ وہ اس کے گھٹنوں پر بیٹھا تمام تماشہ دیکھ رہا ہوتا ہے۔

وہ درباریوں کو چاپلوسی اور غلامانہ ذہنیت کا پیکر پاتا ہے۔ شراب کی صراحیاں حاضر ہوتی ہیں۔ ڈھول ڈھماکوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ المختصر اس کے گردو پیش اُسے یہ ہی تعلیم دیتے ہیں۔ کہ زندگی محض عیش و عشرت ہے۔ اور شراب، عورت، رقص و سرود زندگی کی اہم ترین مسرتیں ہیں۔

لہٰذا عام طور پر بادشاہت کا راستہ مذموم حرکات اور بدکاریوں کی بدنما دلدلوں سے ہو کر گذرتا ہے۔ جب ولیعہد کم و بیش چار سال کا ہو جاتا ہے۔ ایک چوتھائی سے زیادہ دنیا اسمیں دلچسپی کا اظہار کرنا شروع کر دیتی ہے۔ والدین کے علاوہ پولیٹیکل محکمہ اس کی تربیت پر کڑی نگرانی شروع کر دیتا ہے۔ اس عمر سے بچہ کی تعلیم شروع ہوتی ہے۔ پولیٹیکل محکمہ کو اس بات کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے۔ کہ ولیعہد صحیح تعلیم حاصل کرے۔ اور کسی غیر مناسب چیز کا علم حاصل نہ کر سکے۔

عام دستور یہ ہے کہ اتالیق کوئی یورپی مقرر ہوتا ہے۔ دبیشک والدین کے مشورہ سے) اتالیق اس بات کا خیال رکھتے ہیں۔ کہ جو تعلیم ولیعہد کو دی جائے۔ وہ اس قسم کی ہو۔ کہ سلطنت برطانیہ دنیا بھر میں سب سے عظیم سلطنت

ہے - برطانوی قلمرو دنیا میں عجوبہ روزگار ہے - جس پر کبھی سورج
غروب نہیں ہوتا - کرکٹ تمام کھیلوں میں سرتاج ہے - واٹرلو
کا معرکہ اٹن کھیل کے میدانوں میں مارا گیا تھا - اگر برطانوی افواج
ہندوستان کو خالی کر گئیں - تو روس و جاپان اُسے چیر کھائیں گے -
اور یہ کہ ہندوستان نے برطانوی اقتصادیات کے ماتحت
خاص ترقی کی ہے - انگریزوں نے جنگ عالمگیر حق و انصاف
کی خاطر لڑی تھی - ہندوستان مزید سو سال تک درجہ نو
آبادیات حاصل کرنے کے قابل نہیں وغیرہ وغیرہ - نیز اس
بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے - کہ ولیعہد کسی اور طرح کے
خیالات سے روشناس نہ ہو سکے - مثلاً اُسے ہرگز معلوم نہ
ہونے پائے - کہ اس کے شجرہ نسب کی چاند و سورج سے
نسبت فضول ڈھکوسلوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی -
اور یہ کہ دنیا کے بیشتر حصے ملوکیت پرست ممالک نے اپنی
اغراض کے لئے قبضہ میں لے رکھے ہیں - اور نہ ہی انہیں یہ
تعلیم دینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے - کہ اچھے لوگ اپنا
وقت لہو لعب میں صرف نہیں کرتے

۱۹۱۹ء کی اصلاحات کے ماتحت محکمہ تعلیم وزرا کے سپرد کر دیا گیا - یہ وزرا باقاعدہ طور پر صوبائی مجالس آئین ساز کے سامنے جواب دہ تھے - اس لئے حکومت نے والیانِ ریاست کی تعلیم کا شعبہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا - ۶ کروڑ لوگوں کی تعلیم کا فرض تو وزرا کے سپرد کر دیا گیا - مگر انہیں چند سو شاہی خاندانوں کے شریف طینت نونہالوں کی تعلیم کے اہل نہ سمجھا گیا - اس غرض کے لئے چار چیفس کالج کھولے گئے - جو اب تک عام تعلیمی نظام سے بالکل جدا ہیں -

اولاً راجکمار کالج کو لیجئے - اس کا سنگ بنیاد ۱۸۷۸ء میں بمقام راجکوٹ (کاٹھیاوار) رکھا گیا - اس میں بمبئی پریذیڈنسی کے والیانِ ریاست اور سرداروں کے فرزند تعلیم پاتے ہیں - دوسرا میو کالج ہے - یہ ۱۸۷۲ء میں بمقام اجمیر تعمیر کیا گیا - اس میں راجپوتانہ ریاستوں کے راجکمار تعلیم پاتے ہیں - تیسرا ڈالے کالج ہے - یہ ۱۸۷۲ء میں وسط ہند کی ریاستوں کے لئے قائم کیا گیا - اور چوتھا لاہور کا ایچیسن کالج ہے - اس کا سنگ بنیاد ۱۸۸۶ء میں قائم ہوا تھا - اور یہاں پنجابی ریاستوں کے

حکمرانوں کی اولاد تعلیم حاصل کرتی ہے۔ ہر سال ہر کالج پر ایک کثیر رقم صرف ہوتی ہے۔ یہ ہی کیفیت طلبا کی ہے۔ ان کی تعلیم پر بھی بے بہا روپیہ لگتا ہے۔ اب اس مسئلہ کا سب سے اہم پہلو یہ ہے۔ کہ ایک طالب علم کے سالانہ تعلیمی اخراجات کا اندازہ لگایا جائے۔ ہم اس سلسلہ میں ایک ریاست کی انتظامی رپورٹ کا حوالہ پیش کرتے ہیں — ریاست کے راجکمار کی تعلیم پر سال ۲۶-۱۹۲۵ء میں ۵۰۵۵۳۵ روپیہ خرچ آیا۔

ان کالجوں کا داخلہ والیانِ ریاست، سرداروں اور ان کے رشتہ داروں اقارب کی اولاد تک مخصوص ہے۔ بایں ہمہ خطاب یافتہ جاگیرداروں کی اولاد بھی داخل کر لی جاتی ہے۔ آخر ان علیحدہ کالجوں کے اجراء کا مقصد کیا تھا؟ آج سے چند سال قبل اس کے متعلق پیش گوئی کی گئی تھی۔ جو آج ہو بہو درست ثابت ہو رہی ہے۔

"ہم ایسے چاک و چوبند نوجوان پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ جو جدید ترقی سے آشنا ہوں گے۔ لیکن پرانی روایات سے ناآشنا نہ ہوں گے۔ انہیں کھلے طور پر ایسی تعلیم دی جائے گی۔ جس سے ان کے دل اپنے خاندانوں اور رعایا کے متعلق ہمدردی

سے معمور ہیں۔ یہ نوجوان جوانمرد بہادر ہوں گے۔ اور خسی نہیں ہوں گے۔ وہ مضبوط دل ہوں۔ نہ کہ مصمم عزم کے مالک، وہ ریاستی امورات لوگوں کے سپرد نہیں کریں گے۔ بلکہ انہیں خود سرانجام دیں گے۔ ان کی زندگی کاہل، سست، خودنما اور خودپسند انسانوں ایسی نہ ہوگی۔ بلکہ وہ کارہائے نمایاں سرانجام دینے کے اہل ہوں گے۔

اسکولوں میں لڑکے ایٹن اور ہیرد کے یورپی اسکولوں کی طرح نہ صرف کھیلوں میں اچھی طرح حصہ لیتے ہیں۔ بلکہ اپنی تعلیم میں بھی نفرت آمیز ڈراؤنے امتحانات پاس کئے جاتے ہیں۔ اور علمی فضیلیں حاصل کی جاتی ہیں۔ چیفس کالجوں کے طلباء ڈپلومے حاصل کرتے ہیں۔ تمغے اور مبارکبادیں پاتے ہیں۔ لیکن کسی یونیورسٹی کے اعلیٰ امتحانات نہیں پاس کر سکتے۔ ان میں جو عام آرٹس کالجوں میں داخل ہوتے ہیں۔ پتلونوں اور نکٹائیوں کے نت نئے فیشنوں کے بغیر شاید ہی آگے بڑھتے ہوں۔ نوجوان ولیعہدوں کی تعلیمی حیات کا ذکر کرتے ہوئے "شاہانہ ہند" رقمطراز ہے۔

"نوجوان ولیعہدوں کو تربیت دینے کا موجودہ نظام

تعلیم جو اس وقت ان کالجوں اور سکولوں میں رائج ہے۔ نہ تو انہیں قابل منتظم بنا سکتا ہے۔ اور نہ ہی ان کے دلوں میں حب الوطنی، شرافتِ نفس، اخوت اور خودداری کے مردانہ وصائف پیدا کرنے کے قابل ہے۔ اس تعلیم کی بدولت جو نتائج اس وقت تک سامنے آئے ہیں۔ ان سے یہ حقیقت مسلمہ طور پر تسلیم کر لی گئی ہے۔ کہ جو تعلیم ان کالجوں میں دی جاتی ہے۔ وہ طلبا میں کامل مردیّت اور انسانیت کے نشوونما میں زبردست رکاوٹ ہے محل کا ماحول ہر وقت منحوس اور ناپاک بنا ہوتا ہے۔ ولیعہد کو حاشیہ نشین اور درباری چاروں طرف سے گھیرے رہتے ہیں۔ ان میں مذہبی پیشوا، ایڈی کانگ اور ایک سرپرست اہم شخصیتیں ہوتی ہیں۔ یہ تمام اس وقت جب ولیعہد سنِ بلوغ کے قریب پہنچ رہا ہو۔ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے شہوانی جذبات مشتعل کرنے کے سامان پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور اس طرح ولیعہد کے دل پر اپنا اختیار یا ورا اثر پیدا کیا جاتا ہے۔ ایک مہاراجہ کی اپنی شہادت ملاحظہ فرمائیے۔

"ہمیں ولیعہد کو ان برے اثرات سے محفوظ رکھنے

کے لئے خاص احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔ جو سنِ بلوغ کے ساتھ رونما ہوتے ہیں۔ محل میں چند افراد کی ایک ایسی جماعت ہر وقت موجود رہتی ہے۔ جو نوجوان شہزادہ سے رسم و راہ پیدا کر کے اس کا اخلاق بگاڑنے کے درپے رہتے ہیں۔ مجھے زیادہ تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن جس خطرہ کا ڈر محسوس کیا جاتا ہے۔ خوبصورت عورتیں ہیں۔"
(شاہانہ ہند ۱۸ مارچ ۱۹۲۷ء)

کرنل پاول ایک بڑی ریاست کی اہم مثال پیش کرتے ہیں۔

میرے آنے سے چند یوم پیشتر شاہی خاندان میں ایک زبردست گھریلو بحران پیدا ہو چکا تھا۔ جسے برطانوی ریذیڈنٹ کے بے باکانہ عمل نے خطرناک صورت اختیار کرنے سے بچا لیا۔ نوجوان مہاراجہ کی عمر اس وقت سترہ سال کی تھی۔ راج کے نمائندوں نے جو کہ آپ کی اخلاقی اور جسمانی فلاح کے نگہبان تھے۔ اس بات کا فیصلہ کیا کہ حضور ولی عہد صرف بڑی مہارانی کی معیت میں محل سے ...... قلعہ میں تبدیل کر دئے جائیں جہاں وہ برطانوی اور ہندوستانی اتالیقوں کے ماتحت تا

وقتیکہ آپ کالج داخل ہونے کے قابل نہیں ہو جاتے۔ وہیں ہیں مجھے بتایا گیا۔ کہ یہ سخت اقدام محل میں پیدا شدہ ناقابل برداشت صورت حالات کے ماتحت ضروری ہو گیا تھا۔ محل میں شہزادہ کو عورتوں اور نوکرانیوں نے ہر طرف سے گھیر رکھا تھا۔ یوں تو کئی باتیں سننے میں آتی ہیں۔ مگر جہاں تک مجھے علم ہے۔ یہ تمام سازش اس منڈلی کی شرارتوں کا نتیجہ تھی۔ جو دو چھوٹی بیوہ مہارانیوں کے ماتحت سرگرم عمل تھی۔ دراصل ولیعہد کی یہ سوتیلی ماتائیں اس بات کو نہایت تلخی سے محسوس کر رہی تھیں کہ بڑی مہارانی کا راجکمار پر از بس اثر موجود ہے۔ اس لئے انہوں نے دانستہ طور پر یہ جال بچھا دیا۔ تاکہ راجکمار کا اخلاق خراب ہو جائے۔"

سنِ بلوغت انسانی زندگی میں اہم ترین وقت ہے۔ یہ انسانی نشوونما کی ایک اہم منزل ہے۔ یہ عہد ہے شہوانی بلوغ کا۔ یہاں کھیل کود، خوراک اور بچپن کی دوسری لازمی ضروریات کے ساتھ اور ایک اور خواہش کا اضافہ ہوتا ہے۔ جو بھوک سے بھی زیادہ شدید ہوتی ہے۔ یہ خواہشات پورا کرنے کا مطالبہ کرتی ہے۔ شہوانی چکر پورے زور سے

گھومنے لگتا ہے۔ یہ وقت انتہائی کشمکش کا دور ہوتا ہے۔ انسانی جسم و روح اظہار کے نئے سرچشمے تلاش کرتے ہیں۔ بچہ جوان ہو چکا ہوتا ہے۔

ایک مستند رائے کے مطابق جسمانی نشوونما بارآور یا حاملہ ہونے کے فعل کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ زندگی کے اس نہایت اہم مرحلہ پر بہت سے شہزادے اپنے ہمجولیوں سے جدا کر لئے جاتے ہیں۔ اب وہ اپنے اتالیقوں کے ساتھ وقت گذارنا شروع کرتے ہیں۔ جہاں انہیں آداب محفل کی تربیت دی جاتی ہے۔ لیکن نگران کار یہ بھول جاتے ہیں۔ کہ ایک ایسے نوجوان کے لئے جو سن بلوغت کو پہنچ چکا ہو۔ رات کی تنہائی بدترین امر ہے۔ یہاں اس بات پر روشنی ڈالنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کہ اس طرح وہ کون کون سی برائیوں کا شکار ہونے لگتے ہیں۔ عین ممکن ہے۔ اس مرحلہ پہ مار گزیدہ ظاہر ہو۔ اور ایک دوست کے بھیس میں اسے ایسے راستہ پہ ڈال دے۔ جس راہ پر شاذ و نادر ہی کوئی پاکباز رہ سکتا ہے۔ اب پھر انہیں مہاراجہ صاحب کے افکار جن کا پیشتر ازیں ذکر کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہوں

"بلا شبہ جسمانی طاقت کے غلط استعمال کا یہ مطلب نہیں
کہ وہ تو بہتر اولاد پیدا کرنے کے ذرائع ہیں - بایں ہمہ ولی عہد
اپنی زندگی کے پہلے دن ہی ایسے ماحول میں گھر جاتا ہے - جہاں
خوبصورت لڑکیوں کا ہجوم خاطر و تواضعات سے اس کا گلا
گھونٹ کر رکھ دیتا ہے - یہ لڑکیاں ایسے ہوشیار لوگ اس
کے راستہ میں پھینک دیتے ہیں - جن کا مدعا ایسی خدمات
سے ولی عہد کی نظروں میں جگہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔"

پس نتیجہ صاف ہے - کہ والیانِ ریاست کی اولاد کے لئے
قائم کردہ اداروں کا اثر بحیثیت مجموعی سودمند ثابت نہیں
ہوتا - تمام ماحول نمایاں طور پر غیر ہندوستانی ہوتا ہے - جہاں
نشوونما پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے - اس کا ان کی دماغی
اور اخلاقی نشوونما پر اثر پڑتا ہے - وہ اس ضمن میں بہت
پیچھے رہ جاتے ہیں - یہیں پر موقوف نہیں - انہیں اس
بات کی تعلیم نہیں دی جاتی - کہ باعثِ فخر انسان کے جوہر خصوصی
اور کارہائے نمایاں ہیں - بلکہ نسلی غرور ان کے رگ و پے
میں داخل کر دیا جاتا ہے - انہیں تیاگ کی تعلیم نہیں ملتی -
خود سپردگی کا سبق پڑھایا جاتا ہے - اس بات کی طرف توجہ

نہیں دی جاتی ۔ کہ انہیں بلوغت کے خطرات سے خبردار کر دیا جائے ۔ اس کے برعکس کاسہ لیس ۔ درباری اور ہونے والے وزرا وہاں موجود ہوتے ہیں ۔ جن کے سامنے صرف اپنے مقاصد ہوتے ہیں ۔ چنانچہ راجکمار اپنی زندگی کا آغاز سخت پابندیوں اور قیود میں کرتے ہیں ۔ یہ ہی وہ قیود ہیں ۔ جو عمر بھر اس کا دامن نہیں چھوڑتیں ۔ اس کی زندگی ان خیالات کی آغوش میں پروان چڑھتی ہے ۔ کہ وہ بہت اعلیٰ اور بلند ہستی ہے ۔ قدرتِ ایزدی نے اسے ہزارہا انسانوں پر حکمرانی کے لئے پیدا کیا ہے ۔ علم و فضیلت اس کی نگاہوں سے گر جاتے ہیں ۔ تن پروری کا احساس اسے گھیر لیتا ہے ۔ وہ سمجھتا ہے ۔ یہ سلطنت جس پر وہ خدا کی طرف سے حکومت کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے ۔ اس کی ذاتی ملکیت ہے ۔ رعایا اس کی غلام ہے ۔ وہ زمین پر خدا کا نائب ہے ۔ ظلِ الٰہی ہے ۔ بلکہ یہ کہ وہ بذاتہٖ قدرت ایزدی کا تکمیلی جز ہے ۔ اس کا دل حقوقِ عامہ کے ہر ایک تصور کے خلاف نفرت و حقارت کا مخزن بن جاتا ہے ۔ وہ ان لوگوں سے نفرت کرنے لگتا ہے ۔ جو عوام الناس کے مفاد میں آواز بلند کرتے ہیں ۔ وہ خیالی

کرتا ہے۔ کہ لوگوں کو شکایات رفع کرانے کے لئے آواز اٹھانے کا قطعاً کوئی حق نہیں۔ یہ جرم ہے۔ بغاوت ہے۔ شہوانی طور پر درباریوں نے اُسے پہلے ہی گمراہ کر دیا ہوتا ہے۔ چنانچہ خسروانہ تاج اس کے سر کو رونق بخشتا ہے۔ اور عصائے شاہی اس کے سپرد کیا جاتا ہے۔ وہ ایک خودرائے مطلق العنان بن چکا ہوتا ہے۔ اور اس راہ کی پیروی کرتا ہے۔ جس پر گامزن ہونا اس کی رعایا سے حقیر اور ادنے سے ادنےٰ مرد بھی اپنے لئے باعث ننگ سمجھتا ہے"۔ اس بات پر کھول کر روشنی تو حکومت ہند کے ریکارڈ خانے ہی ڈال سکتے ہیں۔ کہ ان اداروں سے تعلیم پانے والے کتنے والیانِ ریاست ایسے ہیں۔ جنہیں تخت سے معزول ہونا پڑا" "حضور ہز ہائی نس چونکہ قدرتی قابلیت سے محروم ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے ۔ظالم۔ مستبد۔ جابر اور خود رائے بننے کی نصف ذمہ داری برطانوی حکومت پر عائد ہوتی ہے"۔ (ہندوستانی مہاراجے برطانوی ہند میں)

ایک ریاست ہندوستان کے ایک بہت بڑے دریا

کے کنارے پر واقع ہے۔ ایک ریلوے جنکشن سے چھ میل دور ریاست کی آبادی تقریباً ۳۰ لاکھ ہے سالانہ آمدنی بھی قریباً قریباً ۳۰ لاکھ ہی ہے۔ یہ ریاست سوا لاکھ روپیہ سالانہ تعلیم پر صرف کرتی ہے۔ اس میں شہزادوں اور شہزادیوں کی تعلیم کے مصرفات بھی شامل ہیں ۸۰ ہزار روپیہ صحت عامہ پر صرف ہوتا ہے۔ عام اخراجات کا اندازہ ۳۰ لاکھ روپیہ سالانہ ہے۔ ہمیں اس بات سے سروکار نہیں۔ کہ یہ تیس لاکھ کہاں خرچ ہوتا ہے۔ ہم یہ بھی کیوں کہیں۔ کہ یہ ریاست جسے ہم یہاں "ض" ریاست کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ کوئی بڑی بھاری ریاست ہے۔ اب آنے والے چند صفحات میں اس ریاست کے ایک شاہانہ جشن کی تفصیلات یہاں دی گئی ہیں۔ کوئی ایسے جشنوں سے خالی نہیں۔ ہر ریاست جشن مناتی ہے۔ اور انہی کے طفیل اخراجات آمدنی سے بڑھ جاتے ہیں۔ ۱۹۲۸ء میں ریاست "ض" کے چہار یومیہ جشن پر چھ لاکھ روپیہ صرف ہوا ریاست "ض" کوئی استثنا نہیں۔ ہر ریاست کی یہی کیفیت ہے۔ نئے والی ریاست کے تخت افروز ہونے پر حضور والیسرائے سلامت ریاست کے دورہ پر تشریف لاتے ہیں۔ بیاہ یا فرزند ارجمند کی ولادت

دھوم دھام سے منائی جاتی ہے۔ ریاست "ص" صرف مثال کے طور پر پیش کی گئی ہے۔ رواج یہی ہے۔ کہ ایسے دن دیہاڑوں کو نہایت تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ سمجھ بوجھ سے ریاست کے مصرفات کا خیال کوئی سر پھرا ہی رکھ سکتا ہے۔ ریاست "ص" کے مصرفات اگر صحت عامہ سے بڑھ جاتے ہیں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ اگر ریاستی تعلیم پر اتنی ہی رقم صرف کی جاتی ہے۔ جتنی ریاستی ہاتھیوں پر لگتی ہے۔ تو اس میں مضائقہ کیا ہے۔ اگر شاہانہ ضیافتوں۔ چراغاں اور شراب و سرود پر تین چار یوم میں اتنی رقم صرف ہو جاتی ہے۔ جس سے پچاس ہزار ریاستی پرجا کی خورد و نوش اور لباس وغیرہ کا خرچ پورا ہو سکتا ہے۔ تو اس میں حرج کیا ہے۔ قصور "ص" ریاست کا نہیں۔ اور نہ ہی کسی اور منفرد ریاست کا دور وسطے کا دستور ہی یہی ہے۔ یہ یادگار ہے عہد بربریت کی ہمارے وہی مہاراجہ صاحب جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں۔

"میں نے ماتموں، بیاہوں۔ تہواروں۔ سالگرہوں اور ولادتوں کا محض اس لئے ذکر کیا ہے۔ کہ یہ ایسی باتیں ہیں

جن میں تخفیف ممکن ہے ۔ میری یہ آرزو ہے ۔ کہ بادشاہوں کی پرورش ایک ادارہ کی طرح ہو ۔ میں بخل اور کنجوسی کے حق میں نہیں اور اس دلیل کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا ۔ کہ چونکہ عیسائی بیاہ شادیوں پر کچھ صرف نہیں کرتے ۔ اس لئے ہمیں بھی کچھ خرچ نہ کرنا چاہیئے ۔ البتہ یہ ہمارے لئے ضروری ہے ۔ کہ ہم رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ چلنے کی کوشش کریں ایسے وقت میں عیش و طرب اور آتش بازیوں کو کوئی حق بجانب نہیں ٹھہرا سکتا ۔ جب بھوک اور افلاس ہر طرف ڈیرے جمائے بیٹھی ہو ۔ آپ کو یہ حق حاصل ہے کہ آپ نسوانی اداروں میں آرٹ اور موسیقی کو فروغ دینے میں کوشاں ہوں ۔ آپ کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ آپ ایسی اکیڈیمی قائم کرلیں ۔ جس میں گاہے بگاہے شہرہ آفاق موسیقاروں کو مدعو کرتے رہیں ۔ لیکن رقص اور سرود پر صرف کئے گئے لاکھوں روپوں کو ہم یہ کہہ کر مناسب فعل نہیں قرار دے سکتے ۔ کہ یہ ایشیائی موسیقی کی حوصلہ افزائی ہے ۔ اس بات کی مذکورہ بالا بات سے کوئی مناسبت نہیں ہے ۔ آپ چونکہ خود ان پر سونا نثار کرتے ہیں ۔ تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ۔ کہ آپ آرٹ

کے سرپرست ہیں۔ ممکن ہے آپ کی نیت ایسی ہی ہو۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ یہ بدی کی حوصلہ افزائی ہے" (پرنسلی انڈیا)

ہم ذکر کر چکے ہیں کہ تخت نشینی اور تاج پوشی پر ہی جشن نہیں منائے جاتے۔ ریاست کی تاریخ میں ایسے دور آفرین آئے روز آتے رہتے ہیں۔ مثلاً ولی عہد کا بیاہ۔ بیٹے یا بیٹی کی شادی۔ حضور وائسرائے۔ سلامت کی آمد۔ ایجنٹ کا حضور وائسرائے کے شرفِ باریابی میں حاضر ہونا۔ یا کسی مقتدر شخصیت کی آمد وغیرہ وغیرہ ہر موقع پر جشن منائے جاتے ہیں۔ اگر ان جشنوں کو شمار نہ کیا جائے۔ تو ریاست کی کل آمدنی کا نصف محل شاہی پر صرف ہوتا ہے"۔ اگر یہ جشن نہ ہوں تو دیسی حکمرانوں کی ناعاقبت اندیشانہ فضول خرچیاں اس طرح منظرِ عام پر نہیں آ سکتیں۔ یہ فارغ البالی کی ایک معمولی سی مثال ہے۔ کہ ریاست کی آمدنی کس طرح مناسب مقامات پر صرف ہونے کی بجائے والیانِ ریاست کے ذاتی مصرفات پر صرف ہو جاتی ہے۔ ایسے موقع پر مہمان نوازی کے تصرفات نہایت مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ بایں ہمہ

ایسی مہماں نوازی سے بالکل ہاتھ نہیں کھینچا جاتا۔ ایسی دعوتیں بڑی فراوانی سے دی جاتی ہیں۔ اور بخوشی قبول کر لی جاتی ہیں۔ ان مصرفات کے لئے ٹیکسوں کے خاص ذرائع کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ محصولات کے معروف و غیر معروف ذرائع تلاش کر لئے جاتے ہیں۔ صابر رعایا جبر کے مطالبات اور شان و شوکت کے محصولات خاموشی سے ادا کر دیتی ہے۔"

مرحوم لارڈ ولسن نے اس بیسویں صدی میں ازمنہ وسطیٰ کی اس لغویت کا نہایت تلخ انداز میں ذکر کیا ہے۔

"میرے نزدیک یہ جشن ایک ایسا فعل ہے۔ جسے کفایت شعاری سے دور کا واسطہ نہیں۔ آج دنیا بھر میں اس جیسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہ اپنے طریقہ کار اور تفصیلات میں پرانے زمانہ کی یادگار بن چکا ہے۔ آج بھی وایسرائے ان کے گورنر اور والیان ریاست اس جاہ جلال میں گھرے نظر آتے ہیں۔ جسے آج سے دو سو سال قبل مغل بادشاہوں نے جنم دیا تھا۔ ہندوستان میں ہر سال ایک کثیر رقم

محافظوں - سرخ پوش چپڑاسیوں ۔ دعوتوں اور محلات کی شکل میں جاہ و جلال اور تزک و احتشام کی نذر چڑھا دی جاتی ہے۔ ان مظاہروں کی ہندوستان کے ماضی میں خواہ کتنی ہی اہمیت ہو - آج سیاسی لحاظ سے بیدار ہندوستان کی نگاہوں میں انہیں بالکل کوئی جگہ حاصل نہیں - میں خود پوچھتا ہوں - کہ آیا گذشتہ عظمت کی اس یادگار کو برقرار رکھنے کی کوئی ضرورت ہے بھی"؟

حکومت ہند کی خواہش ہو - تو غیر ضروری مصرفات ختم ہو سکتے ہیں - سرکار ہند اپنے دفتروں میں بچت کے لئے خط و کتابت میں لیبلوں سے کام نکال لیتی ہے - لیکن جو رقم اس طرح ٹکٹوں سے بچتی ہے - حضور والیسرائے سلامت کے کے محل پر قربان ہو جاتی ہے - حضور والیسرائے سلامت کے محل پر دو کروڑ سے زیادہ کی رقم صرف ہوئی - لارڈ اوسن رقمطراز ہیں -

"جب میں والیسرائے کے محل کو دیکھتا ہوں - میرا دل نفرت اور حقارت سے بھر جاتا ہے - دراصل حقیقت یہ ہے - کہ ہندوستان میں بہت سے لوگ ایسے موجود ہیں جو اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں - کہ ہندوستان پر حکومت قائم

رکھنے کے لئے جاہ و جلال پر دولت پانی کی طرح بہانا نہایت ضروری ہے۔"

حضور والیسرائے کو لیجئے۔ آپ اپنے عہدِ حکومت میں ایک بار ریاستی قلمروؤں کا دورہ کرنا نہایت ضروری سمجھتے ہیں۔ بعض اوقات یہ دورے کئی بار کئے جاتے ہیں۔ آپ یہی خیال کرتے ہوں گے کہ یہ دورے اس لئے کئے جاتے ہیں۔ کہ ریاستوں سے تازہ بتازہ اطلاعات فراہم کی جائیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ والیسرائے اور گورنر جب ریاستوں کے دورہ پر جاتے ہیں۔ تو ان کے سامنے یہ بنیادی مقاصد نہیں ہوتے۔ وہ شاذ و نادر ہی ایسی سردردی مول لیتے ہیں جس سے ان مواقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی رعایا کے حقیقی حالات سے واقف ہو سکیں۔ لوگ قدرتاً ان سے یہی اندازہ لگاتے ہیں کہ وہ اپنے دارالحکومت میں کام سے تھک گئے تھے۔ اور چند یوم کی سیر و تفریح کے لئے وہاں تشریف لے آئے ہیں۔ لوگ یہ اندازہ لگانے میں حق بجانب ہیں۔ چونکہ ان کے پروگرام تمام تر دعوتوں گارڈن پارٹیوں اور شکار وغیرہ پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان کی نپی تلی تقریریں بالکل پاکیزہ لٹریچر ہوتی ہیں۔

اور شروع سے آخر تک اپنے میزبان کی تعریف پر معمول ہوتی ہیں۔ یہ میزبان وہ شخصیتیں ہوتی ہیں۔ جن کی ریاستوں کی تمام رعایا مجروح ہوتی ہے۔ اقتدار اعلیٰ کے نمائندگان خسروانہ جاہ و جلال کے ان مظاہروں سے مسحور ہو جاتے ہیں جو ان کے استقبال میں کئے جاتے ہیں۔ ہر چیز ان کے سامنے لائی جاتی ہے۔ اس کا مقصد صحیح حالات پر پردہ پوشی ہوتا ہے۔

مس فٹنز رے کی رائے میں سیر و شکار حضور وائسرائے کے پروگرام کا لازمی جز ہے۔ ہر دورہ پر میزبان اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ کہ وائسرائے شیر کے شکار سے محروم نہ رہیں۔ اور جہاں تک ممکن ہو۔ جنگل میں اس کے شبہات کا سدِ باب کر دیا جائے۔ "اچھے شکار کے لئے کئی ہفتے تیاریاں کرنی پڑتی ہیں"۔ اور اس کے لئے بے پایاں انتظامات عمل میں لائے جاتے ہیں"۔

جہاں شکار کو شیر اور پھانسنے کو ہاتھی موجود نہ ہوں پرندوں سے کام نکال لیا جاتا ہے۔ ایسے مواقع پر پرندے ذبح کر لئے جاتے ہیں۔ بیکانیر کا ذکر کرتے ہوئے مس موصوفہ

رقمطراز ہیں۔

"اُنہوں نے دو دفعہ شکار کھیلا۔ پہلی دفعہ ۳۰ تاریخ کو اور دوسری بار ۳۱ کو۔ اور کل چار ہزار پرندے شکار کئے۔"

"جشن کے روز حکومت معطل ہو جاتی ہے۔ تمام ادنیٰ اور اعلیٰ اراکینِ عملہ اور تمام محکموں کے افسر روزِ سعید کی تیاریوں میں مصروف ہوتے ہیں۔ عدالتیں بند کر دی جاتی ہیں۔ سکول عمارتیں اور تجارتی دفاتر مہمانوں کے قیام کی خاطر خالی کر لئے جاتے ہیں۔ ریاست کے گرد و نواح میں افسران گروہ در گروہ سرداروں اور اہم شخصیتوں کو دعوت نامے دینے کو بھیجے جاتے ہیں۔ پھر روز سعید طلوع ہوتا ہے۔ اور دعوتوں۔ کھیل۔ تماشوں۔ تفریحوں۔ شراب کی بوتلوں۔ رقاصاؤں کے ہجوم۔ عیش و نشاط کی محفلوں اور رنگ رلیوں کی بہاروں کے طومار بندھ جاتے ہیں۔"

جشنوں پر کثیر رقم صرف ہوتی ہے۔ راقم الحروف کو راجہ بھرت پور نے بتایا کہ وایسرائے صاحب کے دو روزہ دورہ پر آپ کو دو لاکھ روپیہ صرف کرنا پڑا۔ لہٰذا یہ کوئی اچنبہ نہیں کہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں وایسرائے کے دورہ کی متحمل نہیں

ہو سکتیں۔ کوئی زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ ایک وایسرائے صاحب پہاڑوں میں پیدل ریاستوں کا دورہ فرما رہے تھے۔ ایک ریاست میں ایک ہفتہ مچھلی کے شکار پر صرف ہونا تھا۔ ریاست کے وزیراعظم سر پہ پاؤں رکھ کر پولیٹیکل محکمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ کہ دورہ کی میعاد گھٹا کر تین روز کر دی جائے۔ چونکہ ریاست ابھی تک آج سے دو سال قبل کے دورہ کا قرضہ نہیں اتار سکی۔ دورہ تین روز پر موقوف کر دیا گیا۔ لیکن ان بیس مچھلیوں پر جو حضور وایسرائے صاحب نے اپنے ہاتھ سے شکار کیں۔ ریاست کا ۱۲ ہزار روپیہ صرف ہوا۔

وایسرائے تو کبھی کبھار دورہ پر آتے ہیں۔ مگر پولیٹکل ایجنٹوں اور نائب پولیٹیکل ایجنٹوں کے دورے آئے روز کا معمول ہیں۔ ان تمام مواقع پر جشن منائے جاتے ہیں۔ شراب کے دور چلتے ہیں۔ اور شکار کھیلے جاتے ہیں اس کے علاوہ نامور اجنبی شخصیتیں اپنے عام چھلوں کے ساتھ ملک کا دورہ کرتی پھرتی ہیں۔ اور واپس لوٹ کر وہ لوگ ریاست کے مہمان نوازانہ جذبہ کے حق میں تعریفوں

کے پل باندھ دیتے ہیں۔

انسانی حیات مرمریں محلوں میں میٹھے خوابوں سے زیادہ خوبصورت اور لطف آمیز ہے۔ مغل شہنشاہ کے جذبہ نے اس کی یہ ہی تعبیر کی ہے۔ تاج (روضہ تاج محل) کی تعمیر پر ۲۰ ہزار انسانوں نے ۲۰ سال صرف کئے۔ لیکن انسان تاج سے زیادہ خوبصورت اور یزدانی تخلیق کا شاہ کار ہے۔ اسے اوج کمال تک پہنچنے کے لئے اتنا ہی وقت درکار ہے۔ زندگی کی عمارت ایک وسیع ڈھانچہ کی طرح تیار ہوتی ہے اسے مستقل لڑھکنیوں کے اصولوں پر کھڑا کیا جاتا ہے۔ ہر ڈاٹ ایک نئی دیوار کے ساتھ پیوستہ ہوتی ہے۔ عمارت اونچی لے جانا ہو۔ مرمریں گنبدوں کے دائرہ کو وسیع کرنا ہو۔ تو مضبوط دیواروں اور پختہ بنیادوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ دیوار کو باہر کی طرف بڑھانا ہو تو اندر کی طرف دباؤ بڑھا دیا جاتا ہے۔ ایسے مقامات پر زندگی کے پاؤں عموماً لڑکھڑا جاتے ہیں۔ یہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ہم نئی طاقتیں حاصل کرتے وقت اپنے سنہری مواقع کو وسیع کرنے اور نئے علوم کے حصول میں

اکثر بھول جاتے ہیں ۔ کہ جب تک ہم نے اپنی اخلاقی اور روحانی بنیادوں کو مضبوط نہ بنایا ۔ تمام عمارت سر پر آن گرے گی

آج کی نسل دنیا کی تاریخ میں سب سے زیادہ حیران کن نسل ہے ۔ ایک ہندوستانی حکمران کے رحم پر نسلِ انسانی کی قسمت، زندگی ۔ موت، خوشحالی اور ضروریات زندگی سب کچھ ہیں ۔ وہ ایسے دور میں بادشاہ ہے ۔ جب لڑکھڑاتی تہذیب اپنے پاؤں پر آپ کھڑا ہونے کی جان توڑ کوششوں میں مصروف ہے ۔ ابھی کئی مہمات سر ہونی ہیں ۔ آج سائنس کی بھاری قوتیں زندگی کا ہاتھ بٹانے کو موجود ہیں ۔ اس کے باوجود نوعِ انسان کی اکثریت کا یہ عالم ہے ۔ کہ وہ بے پایاں مواقع اور ذریعوں کی آغوش میں تہی دست ہے ۔ وہ دلکش مصنوعی اور برادہ سے لبریز مرصّع گڈیوں کی زندگی بسر کر رہی ہے ۔ ان کی زندگی انتہائی ناکامیوں کی مکمل تصویر ہے ۔ ان کے لئے ایسی اشیائ کے انبار باندھ دئے گئے ہیں ۔ جن کی انہیں ضرورت نہیں ۔ وہ زندگی کی حقیر باتوں میں ہمہ تن مصروف ہیں ۔ وہ جھوٹی نمائش کو اپنا شعار بنا بیٹھے ہیں ۔ وہ شان و شکوہ اور عیاشانہ زندگی کی لذتوں میں مستغرق ہیں ۔ وہ

اپنے فرائض منصبی کو بھول بیٹھے ہیں۔ انہیں ضروری امورات کی طرف توجہ دینا یاد نہیں رہا۔ انہیں اپنے اخلاق کا قطعاً کوئی خیال نہیں۔

پرانے وقتوں میں جب بادشاہ اخلاقی معیار سے گر جاتا۔ اور فرائض منصبی کی طرف توجہ مبذول کرنا چھوڑ بیٹھتا۔ وہ عام طور پر سر کٹوا کر رہتا تھا۔ آج مشفق و مہربان جان بل کی عنایات کے طفیل سینکڑوں ہندوستانی والیان ریاست جن کے سپرد کروڑوں انسانوں کی زندگیاں ہیں۔ انتہائی غلاظتوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ انہیں اپنے فرائض منصبی کا بالکل پاس نہیں۔ سر ہر کورٹ بٹلر کے نام اسٹیٹس پیپلز کے کھلے بیان میں لکھا ہے۔

"جب بد انتظامی ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ اور لوگ مجبوراً بغاوت پر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ تو اقتدار اعلےٰ محسوس کرتا ہے۔ کہ اسے مداخلت کرنا چاہیئے۔ اس لئے کیا یہ ازبس ضروری نہیں۔ کہ اس پالیسی کو تبدیل کر دیا جائے۔ اور جب تک انہیں اقتدار اعلیٰ کی پناہ حاصل ہے۔ عوام الناس کو بہتر حکومت سے فیضیاب کرنے کے لئے ایسی

پالیسی اختیار کی جائے۔ کہ رعایا کے مصائب نہ تو بڑھنے پائیں۔ اور نہ ہی اس قدر شدید صورت اختیار کر لیں۔ کہ ان کی تلافی مشکل ہو جائے۔ ایسا رویہ سراسر غیر منصفانہ ہے۔ اور اقتدار اعلیٰ کے وقار میں اضافہ کا باعث نہیں بنتا۔"

ہم اس باب کے آغاز میں والیانِ ریاست کے ابتدائی ماحول اور محسوسات کا ذکر کر چکے ہیں۔ اس حصہ میں حضور مہاراجہ کی زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ وہ کیا کیا کارہائے نمایاں سر انجام دیتے ہیں۔ ان کی تفریحات کیا ہیں۔ بیاہ سے کیا مسرتیں لوٹی جاتی ہیں۔ اور رقاصاؤں کے پہلوؤں میں کیا کیا ہیجان خیزیاں ہوتی ہیں۔

اس سلسلہ میں نہایت حیران کن امر یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح والیٔ ریاست کی معمولی سے معمولی لغزش بھی فاش ہو جاتی ہے۔ اور پھر وہ بن میں آگ کی طرح پھیلتی ہے۔ اس بات میں والیٔ ریاست اور اس کے رشتہ داروں کا اپنا مفاد مضمر ہے۔ کہ وہ ایک نیک شوہر ہو۔ لیکن کچھ لوگ تو اس کی نفسانی خواہشات کو مشتعل کرنے پر ادھار کھائے

بیٹھے ہیں۔ حُسن ایسے وقت کمال برہنگی سے اس کے سامنے رقص کرتا ہے۔ جب جوانی کا خون بہت گرم ہوتا ہے۔ میں نے اکثر یہ سنا ہے کہ کسی والیِ ریاست کے لئے نیک شوہر بننا ممکن نہیں"۔

ہم نے اس کتاب میں جو کچھ بھی لکھا ہے۔ وہ حرف بحرف صحیح ہے۔ اور کسی ایسی بات کو تحریر میں لانے سے پوری طرح احتیاط برتی گئی ہے۔ جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش بھی باقی ہو۔ ہمارا مقصد یہ نہیں۔ کہ ہر ایک حکمران کے اطوار وخصائل کی تفصیلات بیان کی جائیں۔ چند حکمران ایسے ہیں۔ اور ممکن ہے۔ اکثر ایسے ہوں۔ جن پر اس باب میں بیان کردہ حقائق صادق نہیں اترتے۔ اور جن کی زندگیاں اگر قابلِ الزام نہیں۔ تو کم از کم عام معیار سے اونچی ضرور ہیں۔ جنہیں اپنی رعایا کے مفاد دل وجان سے عزیز ہیں۔ اور جو فرائض بادشاہت امینِ خزانہ اور متولیِ آزادی کے طور پر ادا کرتے ہیں۔ اور عوام الناس کے حقوق ادا کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے۔ مگر ایک نیک ہے تو در جنوں بدکار۔ یہ حقیقت راقم الحروف کی تلاش کردہ نہیں۔ یہ تو مشہور ومعروف حقیقت ہے۔ یقین نہ ہو۔ تو ان خیالات کا

مطالعہ کر لیں۔ جن کا اظہار الگزینڈر پاول ہندوستانی ریاستوں سے متعلق کر چکے ہیں۔

"بلاشبہ یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ والیان ریاست کی اکثریت ایسے ڈھنگ سے زندگی بسر کرتی ہے۔ جو بڑی بڑی یورپی حکومتوں کو بھی دیوالیہ بنادے یا وہاں انقلاب پیدا کردے۔ ہندوستان کی امارت کے متعلق جن قیاسات سے کام لیا جاتا ہے۔ وہ اتنا امیر نہیں ہے۔ لوگ غریب ہیں اور نہایت حیران کن یہ بات ہے۔ کہ والیان ریاست کے پاس دولت کے غیر محدود خزانے موجود ہیں"۔

کوئی عقلمند انسان ایسا نہیں۔ جو اپنا تمام کاروبار اٹھارہ سالہ بیٹے کے سپرد کردے۔ بلاشبہ ایک بچہ اٹھارہ سال کی عمر میں قانونی طور پر بالغ ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ عقل و فراست کا بھی مالک ہو گیا ہے۔ ایک صاحب عقل انسان اپنے کسی عزیز کو کام سپرد کرنے سے پیشتر اسے کاروبار کے مختلف شعبہ جات سے واقف کراتا ہے۔ اس بات کو چھوڑیئے۔ ایک نہایت تیز فہم نوجوان کی بھی یہی کیفیت ہے۔ کہ اُسے بیوپار کی پیچیدگیوں سے آشنا ہونے میں

کئی سال لگ جاتے ہیں۔ اور ضروری عملی تجربہ حاصل کرنے میں ایک وقت درکار ہوتا ہے۔ اب آپ غور فرمائیں۔ کہ حکومت کے نظام سلطنت کی نسبت اور کون سا کام زیادہ دشوار اور مشکل ہو سکتا ہے۔ اس میں مالیات، محصولات، صحت عامہ، پبلک، تعمیرات، بیرونی امورات، کرنسی، ریونیو، تعلیم، عدل و انصاف، صنعتی اور اقتصادی ترقی اور ایسے سینکڑوں پیچیدہ مسائل کو حل کرنا پڑتا ہے۔ جن پر ریاست کی خوش حالی اور بہتری کا انحصار و دارو مدار ہے۔ لیکن بہت کم والیانِ ریاست ایسے ہیں۔ جنہوں نے ایسی تربیت حاصل کی ہو۔ جو کسی انسان کو اس قابل بنا سکتی ہے۔ کہ وہ حکومت کی باگ ڈور سنبھال سکے۔ ہزارہا لوگوں کا امین بن سکے یا پبلک ریونیو اس کے سپرد کیا جا سکے۔ حضور والی ریاست چند یوم برطانوی ہندوستان میں کسی نائب ریونیو افسر کے ساتھ گذارتے ہیں۔ چند گھنٹے قانونی عدالتوں اور کم و بیش ایک ہفتہ کسی فوجی ہیڈکوارٹ میں۔ یہ ہے۔ اس تربیت کی تفصیلات۔ جو ایک حکمران اپنے فرائض کو سرانجام دینے کے متعلق عملی طور پر حاصل کرتا ہے۔ یورپ کے شاہی خاندانوں

کے لئے اتنی تربیت ہی کافی ہے۔ یورپ میں بادشاہتیں محض پبلک زیور ہیں۔ چونکہ حکومت کے تمام انتظامات اعلیٰ پبلک نوکروں اور قابل وزراء کے ہاتھوں میں رہتے ہیں۔ مگر ہندوستان میں والیِ ریاست بذات خود ریاست ہے۔ اس کی مرضی قانون ہے۔ اس کی ترنگ فیصلہ۔ اس لئے یہ حیران کن امر نہیں۔ کہ ایک دفعہ مسندِ حکومت پر سرفراز ہوکر بدکار انسان مستبد اور ظالم حکمران کی نوعیت اختیار کرلیتا ہے۔ اور اس طرح حکومت کا مقصد صرف یہ رہ جاتا ہے۔ کہ وہ اپنے بادشاہ کی عیاشانہ اور نامعقول زندگی کے لئے سامان مہیا کرے۔ سالہا سال تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اور بالآخر ریاست بری طرح قرضہ کی دلدل میں پھنس جاتی ہے۔ یا کوئی نہ کوئی ایسا افسوسناک واقع رونما ہوجاتا ہے۔ جس کی بناپر سرکارِ ہند مداخلت پہ مجبور ہوجاتی ہے۔ مکافات کا وقت سرپر آجاتا ہے۔ والی ریاست شاہی تحقیقات کے ذریعہ اپنا بھانڈہ چوراہے میں پھوٹا نے پر اس بات کو ترجیح دیتے ہیں۔ کہ وہ تخت سے دست بردار ہوجائیں۔ چنانچہ وہ اپنی باقی ماندہ زندگی بسر کرنے کو مسوری یا پیرس تشریف

لے جاتے ہیں۔ جہاں انہیں برطانوی سرکار کی عالی ظرفی کے صدقے اور اپنی خسروانہ حیثیت کی بدولت وہ تمام مراعات حاصل ہو جاتی ہیں۔ جس سے انسان عیش و طرب کی داد دے سکتا ہے۔

اس کے بعد عنانِ حکومت کونسل آف ریجنسی کے سپرد کر دی جاتی ہے۔ برطانوی ہند سے مالی مشیر بھیجے جاتے ہیں۔ تاکہ نئے جلیل القدر حکمران کے مسندِ حکومت پر سرفراز ہونے تک ریاست کے فنانس پر ان کا اختیار رہے۔ تواریخ اپنا عمل مکمل کرتی ہے۔ چکر گھومتا ہے۔ جمع شدہ خزانہ نئے حکمران کے سپرد کیا جاتا ہے۔ یہ اثاثہ ولی عہد کے زمانہ نابالغی میں فنانس کے نہایت محتاط اور کفایت شعارانہ انتظام کے نتیجہ سے اندوختہ کیا ہوتا ہے۔ عیش پرستانہ زندگی کا دور شروع ہوتا ہے۔ نشاط و طرب کے دروازے چوپٹ کھلتے ہیں۔ اور چند ہی سالوں میں ریاست اپنی پہلی حالت پر آجاتی ہے۔ مسٹر چوڈگار رقمطراز ہیں۔ "ریاستوں سے متعلق یہ رقم کرتے ہوئے دکھ محسوس ہوتا ہے۔ کہ ہندوستان میں کوئی ریاست ایسی نہیں۔ جس کی تین نسلوں میں ایک

حکمران استبداد اور مطلق العنانی کے اوج کمال تک نہ پہنچا ہو۔" مس میو ایک خاص ریاست کی مثال پیش کرتی ہیں۔ جس میں ولی عہد کا عہد نابالغی کافی طویل رہا۔

"اس دوران میں حکومت برطانوی ریذیڈنٹ کے ہاتھ میں تھی۔ اور ریاست کی تاریخ میں پہلی بار سالانہ آمدنی پبلک مفاد پر صرف ہوئی۔ خوشنما سڑکیں اور مضبوط پل تعمیر ہوئے۔ اسکول جاری کئے گئے۔ نئی وضع کا ایک ہسپتال قائم کیا گیا۔ جس میں قابل اور مستعد عملہ کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ امن و امان قائم ہوا۔ تجارت اور صنعت کا دور دورہ ہوا۔ فنانس کی اصلاح کی گئی، ریزرو فنڈ کھولا گیا۔ عدالتیں لوگوں پر قابل رسائی ہو گئیں۔ اور لوگ اس انوکھی مسرت اور خوشی کیساتھ تمام سال اس پر امید دن کا انتظار کرتے رہے۔ جب ان کا محبوب شہزادہ ریاست میں واپس آئے۔ جو محض محبوب ہی نہ تھا۔ بلکہ مذہبی اعتقادات کی بنا پر لوگوں کی نظروں میں اسے نیم یزدانی رتبہ حاصل تھا اور رعایا کو شرف حکمرانی سے باریاب کرے۔ جس طرح اس کے آباؤ اجداد ان کے اباؤاجداد پر کرتے رہے ہیں۔

"وہ دن طلوع ہوُا نوجوان شہزادہ نے عنان حکومت اپنے ہاتھوں میں لی۔ رقاصاؤں اور ہوس پرست رشتہ داروں نے فوراً اسے آگھیرا۔ اور اس کے لطیف جذبات میں گرمی پیدا کرنے کے ایسے سامان مہیا کئے جانے لگے۔ جو اس کے زورِ شخصیت اور قوتِ ارادی کو مفلوج کر دیں۔ اور اس کی جوانی کا عرق نچوڑ لیں۔ اور اسے اس قابل بنا دیں کہ وہ ان خود غرض لوگوں کے پنجہ سے باہر نہ نکل سکے۔ پس تین سالوں میں ہی پچھلے سالوں کے کام پر پانی پھیر دیا گیا۔ محفوظ خزانہ ختم ہو گیا۔ ٹیکس بڑھنے لگے۔ پبلک ملازمتیں معیار سے گر گئیں"۔

کوئی زیادہ عرصہ نہیں ہوُا۔ کہ ایک مشہور مہارانی کے بمبئی کرانیکل (۲۲ فروری ۱۹۲۷ء) میں شائع شدہ خط نے سنسنی پیدا کر دی۔ خط میں زیادہ تر حکمرانوں کے زنان خانہ میں عورتوں کی حالت پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ مگر ضمنی طور پر دوسری چیزیں بھی سامنے آ گئیں۔

"خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ہمارے حکمرانوں کو کیا ہو گیا ہے۔ جب تمام ملک بلند تخیلات سے متاثر ہو رہا ہے۔ اور

اپنی اصلاح میں کوشاں ہے۔ حکمرانی کی اکثریت تنزل کی طرف جا رہی ہے۔ ریاستی امورات سے لاپرواہی برت رہے ہیں۔ رعایا برافروختہ ہے۔ مگر انہیں کیا پرواہ ہے! حکومت ہند عدم مداخلت کی پولیسی پر کاربند ہے۔ غالباً اس نے اس کی رسی ڈھیلی چھوڑ دی ہے۔ تاکہ وہ خود ہی اس کی پھانسی میں لٹک کر اپنا کام تمام کر لیں"۔

انسان ذی ہوش ہو تو شعلہ رخ رقاصہ کے لب لعلیں پر تبسم کھیلنے سے ہی بھانپ جاتا ہے۔ کہ انجام کیا ہوگا۔ یہ تکوجی راؤ سوم۔ سابق مہاراجہ اندور کی منظور نظر رقاصہ کے سرخ ہونٹوں کی کشمکش و دلفریبی ہی تھی۔ کہ آپ کو تخت سے دست بردار ہونے پر مجبور ہونا پڑا۔ اور یہ رقاصہ کا ہوش ربا تبسم ہی تھا۔ جس نے اسے جلاوطن ہونے پر مجبور کر دیا۔ اور کرۂ ارض کے دوسرے سرے پر جا پہنچایا۔ جہاں سے وہ آخر کار خوشنما کیلیفورنیا میں پہنچا دیا۔ جہاں اسے پھانسی مل گئی۔ مہاراجہ اندور اکیلے نہیں — درجنوں — بلکہ سینکڑوں کی یہی کیفیت ہے

ایک وقت تھا۔ کہ کسی حکمران کو حکومت ہند کی اجازت

کے بغیر ریاست سے باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ مگر جنگ کے بعد حالات بدل گئے ہیں۔ کرسمس کلکتہ میں گزارنا، ایک ایسی بھاری کشمکش ہے۔ جو ہمارا دیس موسم سرما میں تفریح پسند امراء کو مہیا کر سکتا ہے۔ گرمیوں میں یورپ کی سیر بھی خاص شہرت رکھتی ہے۔ چند ہی والیان ریاست ایسے ہوں گے جو سال کا بیشتر حصہ کلکتہ میں گھوڑ دوڑوں، دہلی میں مجلس مہاراجگان اور بیرون ہند میں سیر و تفریح پر نہ صرف کرتے ہوں۔ ہندوستان سے باہر رہنے کے کئی اسباب ہیں۔ مگر سب سے اہم صحت کا خیال ہے۔ ایک مضمون نگار "لنڈن ڈیلی میل" میں رقمطراز ہے۔ "ہندوستان غارت گر اخلاق ہے۔ مگر حکمرانوں کے لئے غارت گر چند ہفتے ریاست میں، ایک آدھ ہفتہ سپیشل ریلوے گاڑی میں اور کم و بیش اتنا ہی عرصہ دہلی میں نہایت جانفشانی سے گذارنے کے بعد بلاشبہ نو ماہ پیرس یا نائس میں بحالی صحت کے لئے گزارنا نہایت ضروری ہے۔ جناب آنریبل سری نواس آئینگر کے الفاظ میں نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے حکمران اپنے محلات میں نظر نہیں آتے"۔ آپ رقمطراز ہیں۔

وہ ہر ایسی جگہ دیکھے جائیں گے۔ جہاں لوگوں کے روپیہ سے رنگ رلیاں خریدی جا سکتی ہوں۔ آپ لندن تشریف لے جائیں۔ پیرس کی سیر کریں یا کسی اور فیشن پرست شہر کا چکر کاٹیں۔ وہاں آپ کو چند ہندوستانی راجے نظر پڑیں گے۔ جنہوں نے لوگوں کی آنکھیں خیرہ کر رکھی ہیں۔ اور جو ان کے قریب پھٹکتا ہے۔ اس کا اخلاق بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں"۔

وہ لنڈن میں نزول فرمائیں یا پیرس میں۔ ان کے ساتھ وزرا سیکرٹریوں اور نوکروں کا جمگھٹا ہوتا ہے۔ جن میں درجنوں عورتیں بھی شامل ہیں۔ وہ کسی اعلےٰ ترین ہوٹل کے تمام کمرے کرایہ پر اٹھا لیتے ہیں۔ روپیہ پانی کی طرح بہنے لگتا ہے۔ ہر بات پر نہایت بے دریغی سے خرچ کیا جاتا ہے۔ ونڈزر میں حضور بادشاہ سلامت کے سایہ میں ایک ہندوستانی والی ریاست مقیم تھے۔ آپ کی ریاست کسی برطانوی ہند کے ایک معمولی ضلع سے قدرے بڑی ہوگی۔ مگر آپ کے تزک و احتشام کا یہ عالم تھا کہ گھوڑوں کی اصطبلیں۔ موٹر کاروں سے بھرپور گیرج اور حاشیہ نشینوں کی پوری فوج آپ کے ہمراہ تھی۔ دو یا تین سال ہوئے ایک مہاراجہ صاحب جن کی ریاست صرف

۸۰۰ مربع میل رقبہ پر مشتمل ہے۔ ایک پولو کی ٹیم امریکہ لے گئے۔ آپ نے اس کے تمام اخراجات اپنی جیب سے ادا کئے۔ ایک اور مہاراجہ صاحب لینڈٹ جرمنی کے قرب و جوار میں قیام فرماتھے۔ آپ کے ہمسایہ میں قدیم فرانسیسی شاہی خاندان کے ممبران رہتے تھے۔ مگر وہ مہاراجہ صاحب کے مقابلہ میں بے نوا فقیر معلوم ہوتے تھے۔ آپ ایک موسم پیرس میں گزارتے۔ جہاں جشن و تہوار منائے جاتے۔ جن کا تزک و احتشام فرانسیسی دارالحکومت کی آنکھیں خیرہ کر دیتا (معمہ کا آخری گر) اب ایک اور حکمران صاحب کا ذکر خیر سنئے۔ اسی کتاب میں مذکور ہے۔ کہ آپ صرف فرانس میں دوڑ کے گھوڑوں کی آدھ درجن اصطبلیں رکھتے ہیں۔ سکاٹ لینڈ میں شکار کا حلقہ مخصوص کر رکھا ہے۔ پیرس میں ایک مکان اور راگو دریا پر بالاحصار۔ ایک اور حکمران کے متعلق مشہور ہے کہ آپ نے مانٹ کارلو میں بین الاقوامی سپورٹنگ کلب کے میز پر صرف ایک شام کو دس لاکھ فرانسس ہار دے۔ (معمہ کا آخری گر)

والیان ریاست بیرون ہند نہ جا سکیں تو گرمیاں بیسوری کے صحت افزا مقام پر گزاری جاتی ہیں۔ جہاں ان کی مہمان

نوازی کی داستانیں الف لیلہ کے قصوں کو بھی مات کر رہی ہیں۔ مسوری کی خاص بات قوت مردمی کی آزمائش کے مقابلے ہیں جن کی تفصیلات نا قابل بیان ہے۔

چند ہندوستانی والیانِ ریاست ایسے ہیں جنہوں نے انگلستان میں بیش قیمت جاگیریں یا دوسری بیش بہا اشیاء مثلاً موٹر کاریں، پولو ٹٹو، یا سفید فام عورتیں خرید نہیں کیں اور موٹروں کی تعداد کا کہنا ہی کیا ہے۔ اکثر کے پاس درجنوں کے حساب سے رولز راس موٹر کاریں ہیں۔ جن پہ فی موٹر نصف لاکھ یا اس سے زیادہ خرچ آتا ہے۔ ہندوستانی حکمران ڈربی گھوڑ دوڑ کے ٹکٹوں کے پکے گاہک ہیں۔ ایک مہاراجہ صاحب نے ایک گھوڑے پر ۱۰۰،۰۰۰ پونڈ پیش کئے۔ چند ہی والیانِ ریاست ایسے ہیں جنہوں نے پیرس اور لندن کے ناچ گھروں کی خوبصورت ترین عورتوں سے اپنے بستر گرم نہ کئے ہوں۔ ایک واقعہ بذات خود مصنف کے علم میں ہے۔ کہ ایک معمولی درجہ کے حکمران نے ۶۰۰۰ ہزار پونڈ عورتوں پہ صرف کئے۔ جبکہ آپ نے لندن میں صرف تین ہفتے قیام فرمایا۔

والیان ریاست گھر میں ہوں یا باہر ایک سی زندگی بسر کرتے ہیں۔ انہیں ہر جگہ گیارہ نشستوں کی موٹر کاریں۔ سنہری اور نقرئی کاریں۔ گھنٹہ میں سو میل کی رفتار سے دوڑنے والی کاریں، اور ایسی موٹر کاریں جن میں عورتوں کے ساتھ ہر کام ہو سکے، گھوڑ دوڑ کے مراکز میں اصطبلیں اور مخلوقات میں سب سے نادر سیمیں اندام دوشیزائیں حاصل ہیں۔ مگر ان کا دل سیر نہیں ہوتا۔ شمال کی سرو قد اور پہاڑوں کی آہو نگاہ عورتیں، جنوب کی نازک و البیلی خمدار کاکلوں والی دوشیزائیں، کلو کی زیتون رنگ دلکش اور دلربا لڑکیاں، اور کشمیر کی ڈسنے والی زلفیں اور شیریں لب عورتیں۔ کوئی چیز کافی نہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ رانیاں ہوں۔ مگر وہ بادشاہ کی زندگی کا لازمی جزو ہیں۔ وہ زندگی میں لطف پیدا کرتی ہیں۔

اینٹی لاس رقمطراز ہیں "شرفا حسین و خوبصورت دوشیزائیں پسند کرتے ہیں۔ مگر شادی سانولی عورتوں سے کی جاتی ہے۔ بایں ہمہ ہم اس مثال کو والیان ریاست پر منطبق نہیں کرنا چاہتے"

وثوق سے رائے قائم کرنا مشکل بات ہے کہ ایک ہندوستانی

والی ریاست کے حرم ہیں کس کس رنگ کس کس قسم اور کون کون سے نقش و نگار کی عورتیں ہوں گیں۔ اس کا دارمدار ریاست کے ذرائع حکمران کی پسند اور اغوا کرنے کی ایجنسیوں پر ہے۔

زیادہ ترقی یافتہ مگر کم اہم سردار تین پر اکتفا کرتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی پہاڑی ریاستوں میں حرم تیس سے چالیس عورتوں پر مشتمل ہے۔ زیادہ اہم ریاستوں میں یہ تعداد سینکڑوں بلکہ ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے۔

چند ریاستوں میں افسران حکمران یا دیوان کو اپنی بیویوں کے حصہ دار بنا لیتے ہیں۔ مقصد ملازمتیں اور ترقیاں حاصل کرنا ہوتا ہے۔ مگر عام طور پر ان کے سپرد یہ فرض ہوتا ہے۔ کہ وہ حکمران کے محل میں عورتیں فراہم کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوں۔ اس سلسلہ میں شاہانہ ہند (۱۵ فروری ۱۹۲۹ء) ایک ریاستی افسر کے تجربہ کا ذکر کرتا ہے۔

"اس کے تمام افسران والی ریاست کے لئے عورتیں فراہم کرنے کے کام میں مصروف رہتے ہیں۔ میں خود ایک عرصہ آپ کے پاس کام کر چکا ہوں۔ اور جب مجھے اپنے ہم کار افسران کی پیروی میں اس کام پر معمور کیا گیا۔ جسے میں نفرت

کی نگاہوں سے دیکھتا ہوں۔ مجھے نوکری سے دست بردار ہونا پڑا۔ میں یہ مضمون نہایت نیک نیتی سے رقم کر رہا ہوں۔ تا کہ (.........) ریاست کے پولیٹیکل ایجنٹ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی جا سکے۔ کہ وہ ریاست...... کے حکمران کی کارگذاریوں سے متعلق تحقیقات عمل میں لاویں۔ فی الحال میں شاہانہ ہند کے چیف ایڈیٹر کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ کہ وہ دیوان صاحب کے نام والی ریاست کے حسبِ ذیل خط کی ہوبہو نقل اپنے اخبار میں شایع کریں۔ تا کہ میرے اس بیان سے متعلق کسی شک و شبہ کی کوئی گنجایش نہ رہے۔

محل شاہی

۲۱ ستمبر ۱۹۲۸ء

ڈیر مسٹر........

مجھے تمہارا خط مع رخصت کی عرضداشت کے موصول ہؤا ہے۔ تمہاری رخصت منظور کی جاتی ہے۔ مگر تمہیں جہاں تک ممکن ہو۔ جلد واپس آجانا چاہیئے۔ رہا تمہارے خط میں ذکر کردہ چیزوں کا تعلق۔ تو برائے نوازش دونوں

لانا - وہ بے حد خوبصورت و حسین ہوں - میں تمہیں اپنا وفادار نوکر خیال کروں گا - اگر وہ میری پسند کی نکلیں "

تمہارا معتمد

(دستخط) راجہ صاحب

اسی اخبار کے کالموں میں ایک اور راست گو مہاراجہ صاحب رقمطراز ہیں (اپریل ۱۹۲۷ء) "والی ریاست سے متعلق کتنی داستانیں زبان ہر خاص و عام ہیں۔ "وہ صاحب وزیر ہیں۔ اس کا سبب آپ کی قابلیت نہیں - بلکہ وہ اس لئے اس منصب پر سرفراز ہیں - کہ آپ نے ایک دلفریب دوشیزہ حکمران کو مہیا کی ہے "۔

ایک مہارانی صاحبہ نے "بمبئے کرانیکل' میں والی ریاست کے زنان خانہ سے متعلق اپنے اس مشہور مضمون میں کافی روشنی ڈالی ہے - جس کا ذکر پیشتر ازیں کیا جا چکا ہے -

"سب سے نازک پوزیشن اس ہندوستانی مہارانی کی ہے - جس کا نام اور مرتبہ بہت اونچا ہو - وہ نہ صرف بالکل بے بس و مجبور ہوتی ہے - بلکہ اس قدر تہی دست - گویا کہ حقیر گداگر - اسے اس قدر بیرحمانہ توہین اور طعن تشنیع کا آماجگاہ

بنایا جاتا ہے۔ اور اس پر اس قدر مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ کہ جن کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جائیں“

مہارانی صاحبہ ایک مسلمان ملکہ کی داستان زار بیان کرتی ہیں۔ جسے حرم میں موخر ترین ایڈیشن کو (نو آمدہ) جو کہ ایک ادنےٰ بازاری عورت تھی۔ کورنش بجا لانے کو کہا گیا۔ اس توہین پر ملکہ نے میکے چلے جانے کا انتظام کر لیا۔ اسے طلاق دیدی گئی۔ اُسکے لواحقین نے مہر کا مطالبہ کیا۔ جو کئی لاکھ روپیہ تھا۔ تمام معاملہ انگریزوں کے ہاتھ میں تھا۔ ایڑی چوٹی کا زور صرف کرنے کے باوجود فیصلہ حکمران کے حق میں ہوا۔ ملکہ اس کے فوراً بعد جان بحق ہو گئیں“۔

راقم الحروف نے لیڈی اروِن (سابقہ وائسرائے ہند) سے ”لیڈی اروِن ٹربیونل آف جسٹس“ قائم کرنے کی اپیل کی۔ تاکہ حکمران طبقہ کی عورتیں اپنی شکایات اس کے سامنے پیش کر سکیں۔ مقام افسوس ہے۔ کہ اتنا ساحق بھی عورتوں کو حاصل نہیں ہے۔

مہارانی صاحبہ شاہی زنانہ کی پوزیشن حسب ذیل الفاظ میں بیان کرتی ہیں۔ ”مجھے یقین ہے۔ کہ افریقہ کے جنگلات میں بھی

اس قدر درندگی اور حیوانیت موجود نہ ہوگی۔ جس کا شکار بعض اوقات ہمیں بنایا جاتا ہے۔ ہماری ہستی صفر کے برابر ہے۔ ہمیں کسی بات میں دلچسپی لینے کی تربیت نہیں دی جاتی۔ ہم اپنے مالکوں کے کھلونے ہیں۔ وہ چاہے تو ہمیں خوبصورت لباس پہنا دے۔ چاہے تو ہمارے کپڑے اتار لے۔ ہماری حالت کل کے روسی غلاموں سے بھی ابتر ہے۔ نیپال میں غلام آزاد کئے جائیں۔ تو سیاسی طور پر بیدار لوگ۔ خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر انہیں لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ان کی اپنی بہنیں ہیں۔ جن کی زندگیاں بھیانک خوابوں سے بھی ابتر ہیں"۔

مجلس مہاراجگان کے بڑے بڑے روشن میناروں کے حرموں کی یہ کیفیت ہے۔ کیا انسانیت کے یہی روشن نمونے ہیں۔ جن کی آئینی حیثیت کی تشخیص کے لئے سر لیزلے سکاٹ نے ترجمانی کی؟ اب ہم پر یہ حقیقت آشکارا ہو چکی ہے۔ کہ شاہی کپڑوں کو پیرس سے دھلانے کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہے۔ مگر روش بروک ولیم اور نکلسن جیسے تجربہ کار دھوبی بھی اس قابل نہیں۔ کہ ان کے دامن بدنما دھبوں سے صاف کر سکیں۔

ایک راجستانی (شاہانہ ہند) کے کالموں میں بحث کرتے ہوئے مہارانی موصوفہ کے بیان میں رقمطراز ہیں۔

"تمام معلومات سے یہ حقیقت راجستھان کے محلات پر صادق اترتی ہے۔ کہ وہاں نہ تو اخلاق موجود ہے۔ اور نہ ہی عفت اور عصمت شعاری کو کوئی اہمیت حاصل ہے۔ اگر دنیا کے سامنے مرصّع پنجروں میں بند پرندوں سے متعلق تمام حقائق کھول کر اس طرح رکھ دیے جائیں۔ تو اسے سخت صدمہ ہوگا وہ زندگی اس قدر بھیانک ہے۔ کہ اسے زندگی کہنا ہی غلط ہے"۔

چار سال قبل کی بات ہے کہ راجپوتانہ کی ایک مشہور ریاست کے شاہی زنانہ سے بھاگی ہوئی پناہ گزین نے اجمیر کے کئی معزز شہریوں کی موجودگی میں ایک مشہور پبلک کارکن کو بتایا۔ کہ مرحوم مہاراجہ صاحب ...۱۰ بیوہ عورتیں چھوڑ کر مرے ہیں۔ اس نے جگر خراش الفاظ میں کہا۔ اُن میں سے اکثر کم سنی ہیں مہاراجہ صاحب کی غیر تسکین پذیر نفسانی خواہشات کا شکار ہوئیں تھیں۔ اور ان میں بمشکل چند ایسی ہوں گی۔ جو قدرتی موت مری ہوں"۔

شادی پہلی ہو۔ دوسری۔ تیسری یا چوتھی، حکمران کا دل انتخاب اور دلہن سے جلد بھر جاتا ہے۔ اس بیچاری کے لیئے کوئی عدالت نہیں۔ جہاں وہ اپیل کر سکے۔ اور نہ ہی اُسے ذرایع حاصل ہیں۔ جن سے اپنی مشکلات کا حل سوچ سکے۔ پہلی کے بعد دوسری کا بھی وہی حشر ہوتا ہے۔ پھر تیسری کی باری آتی ہے۔ اور یہ سب کی سب ناسوائے عارضی منظور نظر کے بد نصیبی میں سڑتی رہتی ہیں۔

ان جائز اور بد نصیب بیویوں کے علاوہ بیشمار خواصیں اور داشتہ عورتیں ہوتی ہیں۔ جنہیں حکمران کی نگاہ پسند نے رقاصاؤں مغنیہ عورتوں سے انتخاب کیا ہوتا ہے۔ عموماً سیاحت یورپ بھی جمع عروسی میں ایک اور کا اضافہ کر دیتی ہے۔

شاہی زنان خانہ کی بلند دیواروں کے اندر کیا کیا کھیل کھیلے جاتے ہیں۔ اس کے متعلق ہر چیز کا علم حاصل کرنا ناممکن بات ہے۔ پھر بھی کبھی کبھار کچھ نہ کچھ حقیقت آشکارا ہو ہی جاتی ہے۔ ایک حکمران کے محل نے جنہیں معزول ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا، نہ زمین سے ان مظلوم عورتوں کی

ہڈیاں نمایاں کر دیں۔ جنہوں نے اپنے جسم والی ریاست کی آغوش محبت کے سپرد کرنے سے انکار کر دئے تھے۔ ان بدکاروں کے سامنے نہ کرنے کے لئے۔ بھاری اخلاقی و جسمانی جرأت کی ضرورت ہے۔ انکار کرنے والی عورت ان مظالم کی داستان بیان کرنے کو زندہ نہیں رہتی۔ جن کا اسے شکار بنایا جاتا ہے۔ ایک اہم ریاست کے وزیر کے الفاظ میں سرکش عورت کی عام سزا یہ ہے۔ کہ اسے افسران سے زنا بالجبر کا شکار بنایا جاتا ہے۔ مگر بعض اوقات اس سے سادہ تجربہ عمل میں لایا جاتا ہے۔ پسی ہوئی سرخ مرچیں یا آگ سے تپتی ہوئی سرخ سلاخ عورت کی جائے مخصوصہ میں داخل کی جاتی ہے۔ چھاتی کاٹ لی جاتی ہے۔ یا ناک وغیرہ کاٹ کر عورت کا چہرہ خراب کر دیا جاتا ہے۔ عورت بیاہتا ہو تو اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے معصوم بچوں پر اذیتیں ڈھائی جاتی ہیں۔ یا کوکین کا زہر دے کر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے کو چھوڑ دی جاتی ہے۔

اس کتاب کا تعلق کسی خاص اچھے یا برے فرد سے نہیں۔ چنانچہ کسی خاص والی ریاست کی ستم رانیوں کی کہانی بیان کرنا فضول بات ہے۔ محبت ایک عجیب سا جذبہ ہے جس

اوقات یہ دلکشی افسردگی کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور بعض اوقات اس کا مطلب محبوب کی خوشنودی کی خاطر اذیتیں اٹھانا ہوتا ہے۔ عام طور پر نہیں محبت کو سنہری زنجیریں خیال کیا جاتا ہے۔ مرد کی محبت میں مغلوبیت اور انتقام کا عنصر غالب ہے۔ اور عورت میں محبوب کے لئے اذیتیں اٹھانے کا جزبہ بھاری ہے۔ بے دام غلامی اور کسی کا ہو جانا اذیتیں اٹھانے کی محبت کا نصب العین ہے۔ مرد ہو یا عورت درد کا احساس کئے بغیر مباشرت کے لطف کا احساس نہیں کر سکتے۔ درد عام طور پر شہوانی زندگی کی چاشنی ہے۔

راجپوتانہ کے ایک میگزین نے حال ہی میں دو مہاراجوں کے درمیان خط و کتابت شائع کی ہے۔ جس میں اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کہ اس عظیم المرتبہ طبقہ کے مشاغل کیا ہیں۔ خط و کتابت کا لب و لباب یہ ہے کہ ایک مہاراجہ صاحب دوسرے مہاراجہ صاحب کے ہاں قیام فرما ہوئے۔ اس دوران میں وہ میزبان والی ریاست کے محافظِ دستہ کے ایک سپاہی پر لٹو ہو گئے۔ چند روز بعد وزیر اعظم صاحب اس حسین نوجوان کو ایک اسپیشل گاڑی پہ بٹھا کر اپنے آئندہ آقا کے پاس

لے گئے۔ جہاں اسے دیگر خسروانہ عنایات سے فیضیاب کرنے کے علاوہ سپاہی سے کرنل بنا دیا گیا۔ یہ واقعہ یوں تو پریوں کا قصہ معلوم دیتا ہے۔ لیکن ہے بالکل سچا واقعہ۔

ہندوستان میں ایک عام نوجوان کی محبت کا یہ تصور ہے۔ کہ وہ انتقام پر اپنے آپ کو کسی کے لئے فنا کر دینے کو ترجیح دیتا ہے۔ جلنا اور تڑپنا ایسے مراحل ہیں۔ جن پر محبت کے دردناک اور مزاحیہ تمام قسم کے ڈرامے کھیلے جاتے ہیں۔ ایشیائی ادب کے ضخیم دفتر کھولئے تو آپ کو ماقبل آخرت شہوانی مسرت کا مشرقی تصور۔ سرخ ہونٹ۔ سیاہ زلف۔ اور محبوب کے ہاتھوں اذیتیں سہہ سہہ کر موت کا جام پینا معلوم ہوگا۔ والیان ریاست کے حرم میں زندگی محبت کے ان تصورات کا مرقع ہوتی ہے۔

دنیا میں ہر ایک انسان مختلف طریقوں سے دن کا آغاز کرتا ہے۔ ایک انگریز انڈے اور سؤر کا گوشت کھا کر صبح کا آغاز کرتا ہے۔ جرمن ساسیج یا قیمہ سے۔ امریکی انگور سے مگر حضور ہز ہائی نس دوشیزہ کو ترجیح دیتے ہیں۔

بادشاہت قول و عمل میں

یہ ایک عام خیال ہے۔ کہ ٹراونکور اور میسور ہندوستانی ریاستوں میں بہترین نظم و نسق کی مالک ریاستیں ہیں۔ ٹراونکور اپنی سالانہ آمدنی کا اٹھارہ فی صدی تعلیم پر صرف کرتی ہے۔ جو دنیا بھر میں سب سے زیادہ تخمینہ ہے۔ بڑودا اور میسور بالترتیب سترہ اور سولہ فی صدی۔ میسور اور ٹراونکور کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ ان ریاستوں کے راج محل کے اخراجات مقابلتاً بہت کم ہیں۔ میسور راج محل پر کل آمدنی سے ۷ فیصدی صرف کرتی ہے۔ اور ٹراونکو ۲ و ۵ فیصدی۔ جنہیں اگر پونڈ ۔ آنے پائیوں کی شکل میں تبدیل کر کے یہ کہا جائے گا۔ کہ مہاراجہ

میسور کے ذاتی مصرفات ۰۰۰و۸۰و۲۳ روپیہ یا ۰۰۰و۱۸۰ پونڈ پر مشتمل ہیں۔ اور مہاراجہ ٹراونکور کے ۰۰۰و۰۰و۱۱ روپیہ یا ۰۰۰و۱۰۰ پونڈ پر۔ شہنشاہ اطالیہ کو حکومت کی طرف سے ہر سال ۵۰۰و۱۲۱ پونڈ ملتے ہیں۔ لہذا مہاراجہ میسور شہنشاہ امانیول سے ۵ فیصدی زیادہ صرف کرتے ہیں۔ شہنشاہ اطالیہ کی تنخواہ ۲۰۰ ملین پونڈ سالانہ قومی آمدنی سے ادا کی جاتی ہے مہارانی صاحبہ ٹراونکور تقریباً شہنشاہ اطالیہ کے مساوی رقم حاصل کرتی ہیں۔ مگر ریاست کی سالانہ آمدنی $1\frac{3}{4}$ ملین پونڈ ہے۔ مہاراجہ میسور شہنشاہ امانیول سے نصف صرف کرتے ہیں۔ مگر ریاست کی آمدنی اطالیہ کے مقابلہ میں ($\frac{1}{17}$ ہے) سترہ گنا کم ہے۔ یہ اعداد و شمار بہترین حکومت کی مالک ریاستوں سے متعلق ہے۔ دیگر کی حالت اور بھی ناگفتہ ہے۔ یہ تو وہ اعداد و شمار ہیں جنہیں ریاستیں اپنی سرکاری رپوٹوں میں شائع کرتی ہیں۔ آؤ ان کا یورپی شہنشاہوں کے مصارف سے موازنہ کریں۔

سٹیٹسمین نیویارک ۱۹۳۰ء میں یورپی شہنشاہوں کی تنخواہوں کے باقاعدہ اعداد پیش کئے گئے ہیں۔

ہز میجسٹی حضور شہنشاہ سلامت ۰۰۰و۴۰۰ پونڈ سالانہ

حاصل کرتے ہیں۔ اور شہنشاہ جاپان ۱۵۰۰۰۰ پونڈ۔ نظام حیدرآباد کے خزانہ سے پچاس لاکھ پونڈ سالانہ وصول کرتے ہیں جو دونوں شہنشاہوں کی سالانہ تنخواہ کے قریبًا قریبًا مساوی ہے۔ اگر اس میں نذرانے۔ ضبطگیاں اور ذاتی جاگیریں شامل کر لی جائیں (مخفی نہ رہے۔ کہ جاپان اور برطانیہ کے شہنشاہ ایک مقررہ سالانہ آمدنی کے حق میں ذاتی جاگیروں سے دست بردار ہو گئے ہیں) تو نظام کی آمدنی دونوں شہنشاہوں کی آمدنی کے برابر بن جاتی ہے۔ ریاست حیدرآباد کی سالانہ آمدنی ساڑھے چھ کروڑ روپیہ یا پانچ ملین سٹرلنگ کے لگ بھگ ہے۔ جاپان اور انگلستان ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ سالانہ آمدنی آٹھ سو ملین سٹرلنگ ہے۔ یا یوں کہیئے کہ ہز اگزالٹڈ ہائی نس حضور نظام کی آمدنی ہندوستان کے وائسرائے اور گورنر جنرل سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اگر حضور نظام کی ایک سال کی آمدنی ۹ فیصدی شرح سود پر جمع کر دی جائے۔ تو اس سے وائسرائے اور آپ کے چھ اگزیکٹو کونسلروں کی تنخواہیں ہمیشہ ادا کی جا سکتی ہیں۔ مہاتما گاندھی نے وائسرائے کے نام اپنے مشہور خط میں شکایت کی۔ کہ "جن ناانصافیوں کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس لئے

بروۓ عمل لائی جاتی ہیں - کہ ایک ایسا اجنبی نظام قائم رہے - جو کھلے طور پر دنیا میں گراں ترین ہے - آپ اپنی تنخواہ کو لیں - یہ اکیس ۲۱ ہزار روپیہ سالانہ سے زیادہ ہے - بلاواسطہ آمدنی اس سے ماسوا ہے - برطانوی وزیراعظم کی تنخواہ پانچ ہزار پونڈ سالانہ ہے یعنی موجودہ شرح تبادلہ کے حساب سے ۵۴۰۰ روپیہ ماہوار سے زیادہ - آپ سات سو روپیہ سے زیادہ ہر روز حاصل کرتے ہیں حالانکہ ایک ہندوستانی کی روزانہ آمدنی ۲ آنہ سے کم ہے - وزیر اعظم صاحب ۱۸۰ روپیہ روزانہ تنخواہ پاتے ہیں - جبکہ برطانیہ عظمے کی اوسط آمدنی ۲ روپیہ فی کس کے لگ بھگ ہے - برطانوی وزیراعظم برطانیہ کی اوسط آمدنی سے صرف ۹۰ گنا زیادہ تنخواہ لیتے ہیں"۔

اگر وائسرائے صاحب ہندوستان کی اوسط آمدنی سے پانچہزار گنا زیادہ تنخواہ پاتے ہیں تو والیان ریاست رعایا کی سرپرستی کے عوض کیا رقم وصول کرتے ہیں؟ نظام کی آمدنی ہندوستانی اوسط آمدنی سے ایک دو لاکھ گنا زیادہ ہے۔ دوسرے مہاراجوں کی بھی تقریباً تقریباً یہی حالت ہے -

ہندوستانی ریاستوں میں حضوری نذرانوں کا تخمینہ

دنیا بھر سے زیادہ ہے۔

دنیا کے دیگر ممالک میں بادشاہ جو رقوم حاصل کرتے ہیں۔ اگر انہیں شمع راہ بنایا جائے۔ تو ایک ہندوستانی والی ریاست اخراجات کے اعتبار سے بڑے بڑے شہنشاہوں سے گوئے سبقت لے جائے گا۔ دیگر بڑے بڑے شہنشاہوں مثلاً شہنشاہ برطانیہ یا بادشاہ اطالیہ کی تو یہ کیفیت ہے کہ ان کی تنخواہیں ان کے ذاتی جاگیروں سے دستبردار ہونے کی صورت میں مقرر کی گئیں ہیں۔ دنیا بھر میں کسی بادشاہ کو قومی سالانہ آمدنی کے ایک فی صدی کے اہل نہیں سمجھا گیا۔ اگر کوئی بادشاہ اپنے مقررہ مشاہرہ سے ایک پائی بھی زیادہ صرف کرنے لگے۔ تو ملک میں کہرام مچ جائے گا۔ اور عین ممکن ہے اُسے تخت سے دست بردار ہونا پڑے۔ جمہوریتوں کے مصارف شہنشاہیتوں سے بہت کم ہیں۔ لیکن اگر متحدہ امریکہ کے صدر یا روس کی سوویٹ حکومت کے مقتدران اعلیٰ کے معیار نظر انداز بھی کر دئے جائیں جنہیں ہندوستانی والیان ریاست کی نسبت بہت اونچا بین الاقوامی درجہ حاصل ہے۔ تو آخر کار کوئی معیار ضرور مقرر ہونا چاہیئے۔ دنیا کے دوسرے حصوں میں بادشاہ لوگوں کی مرضی سے حکومت کرتے ہیں ان کے درباروں کی شان و شوکت قوم یا قوم کے ترجمانوں کی

خاموش رضامندی کا نتیجہ ہوتی ہے - ایک ہندوستانی حکمران لوگوں کی مرضی کے بغیر حکومت کرتا ہے۔ جس طرح چاہتا ہے ٹیکس لگاتا ہے - جو من میں آتا ہے قانون بناتا ہے - بلا روک ٹوک شاہی خزانہ پر ہاتھ صاف کرتا ہے - وہ مطلق العنانی کے نتائج سے بری ہے - اس کا رتبہ اور لوٹ محفوظ ہے -

شاید یہ ریمارکس تلخ معلوم ہوں - لیکن کوئی نکتہ چینی ان حقائق سے زیادہ تلخ نہیں - جن کی بنا پر یہ نتائج اخذ کئے گئے ہیں - ہم پیشتر ازیں عرض کر چکے ہیں - کہ آخر ایک معیار ضرور مقرر ہونا چاہیئے۔ جس کے مطابق ایک بادشاہ خزانہ سے اپنے مصرفات حاصل کرنے کا مجاز ہو - ہندوستان کے سوا موروثی مطلق العنانی صفحہ ہستی سے معدوم ہو چکی ہے - بادشاہ لوگوں کی مقررکردہ مخصوص رقوم صرف کرتے ہیں - شہنشاہ انگلستان تقریباً قومی آمدنی کے ۱۶۰۰ میں سے ایک حاصل کرتے ہیں - بادشاہ بلجیم ۱۰۰۰ سے ایک - شہنشاہ اطالیہ ۵۰۰ سے ایک - شاہ ناروے ۷۰۰ سے ایک - والی ہسپانیہ ۵۰۰ سے ایک - کوئی بادشاہ ٹراونکور کی مہارانی کی طرح ۱۷ میں ایک حاصل نہیں کرتا - یا مہاراجہ میسور کی کی طرح ۱۶ سے ایک یا نظام حیدرآباد مہاراجہ بڑودہ مہاراجہ

جموں وکشمیر و مہاراجہ بیکانیر کی طرح ۱۳ ہیں ایک۔

اگر مہاراجہ اندور یا والیِ بیکانیر کی اُس آمدنی کا اندازہ لگایا جائے۔ جو انہیں اپنے سرکاری خزانوں سے حاصل ہوتی ہے۔ تو وہ بلغاریہ، ڈنمارک اور ناروے کے بادشاہوں کی مجموعی آمدنی کے برابر بنتی ہے۔ شاہ اطالیہ ۱۹۰۰۰۰ مربع ایکڑ ۲۷ ملین آبادی اور ایک سو ملین سٹرلنگ پر حکمران ہے۔ شاہ الفانسو کی آمدنی کو ایک ہندوستانی حکمران نے مات کر دیا ہے۔ جسے محض ۲۷۰۰۰ مربع ایکڑ زمین اور ۳/۴ ملین سٹرلنگ پر اختیار حاصل ہے۔

ریاست "ض" کا حکمران جس کا نظامِ حکومت ایک ایسی کونسل کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ جو یورپی اور ہندوستانی افسران پر مشتمل ہے۔ چار لاکھ روپیہ سالانہ یا یہ کہیئے کہ وائسرائے کی تنخواہ سے دوگنا زیادہ روپیہ وصول کرتے ہیں۔ ریاست کا رقبہ صرف ۶۰۰۰ مربع ایکڑ پر مشتمل ہے۔ جس میں کثیر حصہ صحرا ہے۔ یہ امر کہ آپ مذکورہ چار لاکھ روپیہ کس طرح صرف کرتے ہیں۔ کسی صورت میں بھی کھلی بدنامی یا رسوائی سے کم نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر "شاہانہ ہند" کے کالموں میں جس کا رویہ والیان ریاست سے بہر حال مصالحانہ ہے روشنی ڈالی گئی ہے۔

"حضور مہاراجہ نئی کونسل سے گلو خلاصی پانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ لیکن رعایا بڑی شدت سے کونسل کے حق میں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کونسل ریاست میں مطلق العنانہ بدانتظامی پر بڑی بھاری تعزیر ہے۔

"جب سے مسٹر..... مالی اور ریونیو ممبر کی حیثیت میں ریاست میں تشریف لائے ہیں۔ ہر کام ریاست کی رعایا کے مفاد میں سرانجام دینے میں سرگرداں ہیں۔ اگر بدقسمتی سے آپ حکمران کی فضول خرچیوں کو روکنے میں ناکام رہے ہیں۔ تو اس کا سبب ریاست میں آپ کی نازک اور مشکل پوزیشن ہے۔ مہاراجہ صاحب اپنے ذاتی اخراجات کے لئے ۳۵۰۰۰ ہزار روپیہ ماہوار وصول کر رہے ہیں۔ ...... جو کہ ایک ایسی ریاست کے لئے جس کی سالانہ آمدنی دس لاکھ سے زیادہ نہیں۔ بہت زیادہ ہے۔ ۳۵۰۰۰ روپیہ ماہوار کو ناکافی سمجھ کر آپ اپنے فالتو اخراجات کو پورا کرنے کے لئے قرض اٹھا رہے ہیں۔ آج تک آپ ۱۵ لاکھ روپیہ قرض کے زیر بار ہو چکے ہیں۔ قرض اٹھائی ہوئی تمام رقم رقاصاؤں اور بیسواؤں پر نچھاور کر دی جاتی ہے۔ ریاست کے اندرون اور بیرون ریاست کے لئے مقام رسوائی ہے۔ کہ آپ

کی ایک نئی بیوی ایک مشہور و معروف رقاصہ ہے۔ جس کے ہاتھ میں آپ ایک بے دام غلام کی طرح کھیل رہے ہیں۔ نئی محبوبہ کا بھائی اور رشتہ دار اور اقارب ریاست کے نظم و نسق پر بھاری اثر استعمال کر رہے ہیں"۔

ایک اور ریاست میں جو صرف ۱۸۰ مربع میل علاقہ کی مالک ہے اور ٹائمز آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۰ء میں ذکر کئے جانے کی کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔ نصف سے زیادہ سالانہ آمدنی حضور مہاراجہ صاحب کے گھریلو اخراجات کی نظر چڑھ جاتی ہے۔ یعنی ۱۲۹۰۰۰ روپیہ سالانہ آمدنی سے ۱۳۶۰۰۰ مہاراجہ صاحب حاصل کرتے ہیں۔ شاہی اصطبلوں کے انتظامات پر اس ترقی یافتہ ریاست میں ۴۰۰۰ ہزار روپیہ سالانہ یا صحت عامہ پر صرف ہونے والے روپیہ سے تین گنا زیادہ صرف ہوتا ہے (شاہانہ ہند ۱۷ فروری ۱۹۳۶ء)

سرکاری رپورٹیں بہت کم ریاستوں میں شایع ہوتی ہیں۔ بہت حالتوں میں ان کی اشاعت میں کافی تاخیر ہو جاتی ہے۔ بالخصوص جب بجٹ میں کوئی ایسی شق موجود ہو۔ جس کا ذکر کرنا قابل نیک نامی نہ ہو۔ جب یہ رپورٹیں شائع ہو کر

سامنے آتی ہیں (پبلک ان رپورٹوں کے مطالعہ کا شرف حاصل نہیں کر سکتی) تو ان میں والی ریاست کی آمدنی کو کم سے کم ظاہر کرنے کی کوشش نمایاں معلوم ہوتی ہے۔ آپ کے مصرفات دراصل ۱۰ فیصدی ۱۵ فیصدی ۲۰ فیصدی یا اس سے بھی زیادہ ہوں۔ مگر بار بار اس نوعیت کی شقیں درج ہوتی ہیں۔ مثلاً محافظت محل جیسے رفاہ عامہ کی مدمیں شامل کر دیا جائے محل اور شاہی باغات کے مصرفات محکمہ جنگلات کے مصارف میں شامل ہوتے ہیں۔ دارلریاست میں بجلی کے مصرفات جو زیادہ تر محل شاہی اور وزراء کے محلات میں نصب ہوتی ہے۔ میونسپل فنڈ میں شامل کر دئے جاتے ہیں۔ نئی موٹر کاریں محکمہ افواج کے مصرفات کی شق میں اور رفاصائیں ناگہانی ضروریات یا سائر خرچ میں۔ اس کے ثبوت میں کئی خاص مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر ہم دو باتوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

"اندوریوں کے لئے ۱۹۲۶ء کا سال خصوصی اہمیت کا مظہر تھا۔ کیونکہ اس سال انہوں نے ہمارا بدلنے کا تماشہ دیکھا۔ سال مذکورہ کے اوائل میں تکوجی راؤ تخت سے دستبردار ہو گئے۔ اور آپ کے فرزند ارجمند یشونت راؤ آپ کی جگہ مسند

نشین کرائے گئے۔ اس واقع سے ریاست پر کچھ اثر پڑا یا نہیں۔ اس کے متعلق کچھ کہنا مشکل ہے۔ البتہ ایک بات صاف ہے۔ کہ راج محل کے اخراجات بدستور ہی رہے۔ ۱۹۲۴-۲۵ء میں ۲۱۲۸۲۵۷ روپیہ تھے۔ دوسرے سال تقریباً دو لاکھ اور بڑھ گئے۔ یعنی ۴۲۹۲۲و۲۲۷۷ روپیہ بن گئے۔ اس سال ریاست کی آمدنی ۱۸۸۷۱۰و۱۲۸۰و۱ روپیہ تھی۔ اسی طرح مصرفات محل کل آمدنی کے ۱۸ فیصدی تک جا پہنچے۔ لیکن جب اس نقطہ کو زیر نظر رکھا جائے۔ کہ کچھ رقوم جو دراصل محل کی شق میں رکھنا چاہئیں تھیں۔ مگر دوسری شقوں میں درج کر دی گئیں ہیں۔ تو اصل تناسب اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ مثلاً لال باغ محل کی تعمیر کے اخراجات جو تقریباً چھ لاکھ روپیہ پر مشتمل ہیں۔ محکمہ رفاہِ عامہ کی شق میں دکھائے گئے ہیں۔ اسی طرح مہاراجہ صاحب کے دیگر مکانات کی مرمت کا خرچ وغیرہ جو چھ ہزار روپیہ سے کچھ زیادہ ہے۔ اسی محکمہ کے اخراجات میں شامل ہے۔ حالانکہ انہیں محلاتِ شاہی کے مصرفات میں درج کرنا چاہیئے تھا۔ شکاروں پر صرف ۱۲۰۰۰ روپیہ محکمہ جنگلات میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اگر ان اخراجات کو شامل کر لیا جائے تو معلوم

ہوگا۔ کہ مصرفاتِ محل ریاست کی کل سالانہ آمدنی کے ۱۰ فیصدی نہیں بلکہ ۲۲ فیصدی سے بھی زیادہ ہیں۔ بلاشبہ یہ حقیقت کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ محلاتِ شاہی ریاست کی سالانہ آمدنی کا ایک بڑا حصہ ہضم کر گئے ہیں جسکا اثر دوسرے محکموں پر پڑنا ضروری ہے۔ جن کے سپرد قومی تعمیر، تعلیم یا صحت عامہ کے شعبے ہیں۔ (سرونٹس آف انڈیا ۲۷-۶-۱۹۲۸)

بٹلر کمیٹی کی آنکھوں میں یہ کہہ کر دھول ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ کہ ۵۶ والیانِ ریاست نے اپنی ماہوار تنخواہیں مقرر کر رکھی ہیں۔ لیکن وہاں اس بات کا قطعی طور پر ذکر نہیں کیا گیا۔ کہ وہ کل آمدنی سے کیا نسبت رکھتی ہیں۔ جب تک والیانِ ریاست یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ انہوں نے ماہوار مشاہرہ مقرر کر رکھا ہے۔ بٹلر کمیٹی کو تفصیلات میں الجھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ نیز ان کی شاہی رپورٹوں کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ کہ ماہوار مشاہرہ تو صرف ذاتی مصرفات کا مظہر ہے۔ مسٹر چدگار اپنی مشہور تصنیف "برطانوی پناہ میں ہندوستانی حکمران" میں مہاراجہ بیکانیر کی مثال پیش کرتے ہیں۔ جو اپنی اس فضیلتِ مآبی کا ڈھنڈورا

پیٹتے نہیں تھکتے۔ کہ آپ سرکاری خزانہ سے دس فیصدی سے زیادہ وصول نہیں کرتے۔" مسٹر چودگار رقمطراز ہیں۔

"مہاراجہ صاحب بیکانیر اپنے رہائشی مکان کی مرمت وغیرہ کے تمام اخراجات سول ورکس کی شق میں شامل کر دیتے ہیں۔ بیکانیر کی ۲۷-۱۹۲۶ء کی رپورٹ میں ایسی مرمت کی مکمل ۴۶ مدیں ہیں۔ جن میں صرف چار مدیں ایسی ہیں۔ جو دراصل مفاد عامہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ رقوم جو کہ سول ورکس کی شق میں درج کی گئی ہیں۔ کل رقم کا چار فیصدی ہیں۔ کل رقم تقریباً ۵۰۰۰۰ پونڈ ہے۔ جام نگر کی ۲۶-۱۹۲۵ء کی سرکاری رپورٹ میں حضور مہاراجہ صاحب کے ذاتی مصرفات ۸۰۰۰۰۰ روپیہ یا تقریباً ۶۰۰۰۰ ہزار پونڈ بتائے گئے ہیں۔ اور دیگر تمام ذاتی اخراجات جو مصرفات محل میں شمار کئے گئے ہیں۔ ۱۲۵۰۰۰ پونڈ ہیں۔ یعنی کل ۱۸۵۰۰۰ پونڈ۔ جو کل آمدنی کا ۲۰ فی صدی ہیں۔ اس کے علاوہ ۲۰۰۰۰ پونڈ کی ایک اور مد ہے یعنی محلات موٹر کاروں وغیرہ پر صرف شدہ رقم۔ یہ مد اخراجات محل سے علیحدہ ہے۔ اس طرح جملہ رقم ۳۷۵۰۰۰ پونڈ بن جاتی ہے یا کل آمدنی کا ۵۰ فیصدی۔ ۲۷-۱۹۲۶ء کے اعداد و شمار اور بھی

مشکوک ہیں ۷۰۰۰۰ پونڈ جن میں ۲۰۰۰۰ پونڈ ناگہانی ضروریات کی مد میں درج کر دئے گئے ہیں۔"

ایک اور ریاست میں (نام ذکر کرنا بے فائدہ ہے۔) ریاست کی تاریخ میں پہلی بار ایک بجٹ مرتب کیا گیا۔ اس سے قبل بجٹ تیار کرنا دشوار تھا۔ چونکہ حضور والیِ ریاست اس بات کو نہایت معیوب خیال کرتے تھے۔ کہ وہ اپنے ذاتی مصرفات میں تخفیف لاویں۔ بہرکیف آپ کو اس بات کی ترغیب دی گئی کہ آپ اپنے حکمران بھائیوں کے پہلو بہ پہلو چلنے کی کوشش کریں۔ آپ بالآخر آئندہ سال بجٹ مرتب کرنے پر رضامند ہو گئے۔ بجٹ میں ایک کروڑ سے زیادہ روپیہ کا حساب کتاب پیش کیا گیا۔ جب یہ بجٹ پوری طرح مرتب ہو چکا۔ تو اسے عدیم النظیر حکمران کی عدیم المثال ریاست کا نمونہ بجٹ قرار دیا گیا۔ قصہ کوتاہ بجٹ حسبِ ذیل ہے۔

ریاست کی کل آمدنی ۱۲۵ لاکھ روپیہ ہے۔ جس میں ۵۰ لاکھ تنخواہ کی مد میں تخصیص کئے گئے ہیں۔ ان پچاس لاکھ میں ۲۰ لاکھ افواج کی شق میں درج ہیں۔ ۱۵ لاکھ ناگہانی ضروریات کی شق میں۔ جن میں دس لاکھ حضور مہاراجہ صاحب کی ناگہانی ضروریات

پر وقف ہیں۔ سفر الاؤنس اور پنشن پانچ لاکھ ہیں۔ باقی ۵۵ لاکھ مہاراجہ صاحب کی ذاتی دولت ہیں۔ اس طرح ریاست کے نظم و نسق پر تو صرف ۴۰ لاکھ صرف ہوتے ہیں۔ جن میں ناگہانی ضروریات۔ سفر الاؤنس اور پنشن بھی شامل ہیں۔ تعلیم پر دو لاکھ صرف ہوتا ہے جبکہ اخراجات محل کی بھینٹ ۶۵ لاکھ چڑھ جاتے ہیں۔ (مہاراجہ صاحب کی ناگہانی ضروریات کے دس لاکھ شامل کر کے) ریویو سے دلچسپی لینے والے طلباء کے لئے یہ امر موجب حیرت ہوگا۔ کہ اس ریاست میں سالانہ آمدنی کے ۱۲۵ لاکھ روپیہ میں سے ۶۵ لاکھ حضور حکمران ہضم کر جاتے ہیں۔ ۴۰ لاکھ ریاست کے انتظامات پر صرف ہوتے ہیں۔ اور ۲۵ لاکھ افواج پر۔ اس سے بھی زیادہ موجب دلچسپی یہ بات ہوگی۔ کہ تعلیم پر صرف ۲ لاکھ صرف کیا جاتا ہے"۔

والیان ریاست بیاہ شادیوں کے اخراجات ریاست کی آمدنی سے اخذ کرتے ہیں۔ مجلس مہاراجگان کے ایک رکن کے دس روزہ سفر پر ۵۱۰۰۰ روپیہ صرف ہوتے ہیں۔ مہاراجہ صاحب کی ایک شادی (یہ پہلی شادی نہیں) کا ذکر ایک سرکاری رپورٹ میں کیا گیا ہے۔ جس پر ریاست کا ایک لاکھ روپیہ صرف

ہؤا۔ مہاراجہ صاحب کو تنخواہ کے طور پر ادا کی گئی رقم کے علاوہ ایک لاکھ روپیہ اور ہے۔ جو آپ کی بیویوں کو ادا کیا گیا۔

عام طور پر والیانِ ریاست کے سامنے ایک خاص شغل ہوتا ہے۔ جس پر وہ روپیہ اور ریاست کا خزانہ صرف کرتے ہیں۔ چند والیانِ ریاست ایسے ہیں۔ جو زیادہ محلات تعمیر نہیں کرا سکتے چند زیادہ عورتیں حاصل نہیں کر سکتے۔ اور دیگر چند کبھی زیادہ موٹر کاروں کا لطف نہیں اٹھا سکتے۔ بمشکل مٹھی بھر ایسے ہونگے جو ان تمام بدکاریوں سے پاک ہوں۔ جن کے امرا عام طور پر شکار ہوتے ہیں۔ بہترین کاریگر و ماہرین عمارات شاہی محلّات کی تعمیر پر بلائے جاتے ہیں۔ اور کوئی رقم اتنی نہیں ہوتی۔ جو ضروری آسایش و آرام کی کفیل ہو سکے۔ اغوا کے کمال درجہ منظم سسٹم ہر رنگ و نقش و نگار اور ہر وضع قطع کی دوشیزائیں مہیا کرنے پر معمور ہوتے ہیں۔ ان کی تدابیر کے جال ہمسایہ ریاستوں سے لے کر برطانوی ہند اور یورپ تک پھیلے ہوتے ہیں۔ موٹر کاروں کے کارخانہ دار آپ کو بتائیں گے کہ بہترین نمونے کے خریدار راجے مہاراجے اور ہندوستان کے نواب ہیں۔

اس بات کا مشاہدہ کرنے کے بعد کہ ایک عام ہندوستانی

حکمران ریاست کی سالانہ آمدنی کے کتنے حصے پر ہاتھ صاف کرتا ہے۔ یہ مطالعہ کرنا بھی موجب دلچسپی ہوگا۔ کہ روپیہ کیسے فراہم ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ ایک آدھ ریاست کو چھوڑ کر حکمران اپنے آپ کو ریاستی حکومت کا رئیس کلیہ ہی تصور نہیں کرتا بلکہ اپنی ذات با صفات کو فی نفسہ ریاست سمجھتا ہے۔ حکمران کی بہبودی ریاست کی بہبودی ہے۔ حکمران کے حق ریاست کے حق ہیں۔ المختصر وہ بذات خود ریاست ہے۔ ہندوستان کی فضا پراگندہ ہوگئی تھی۔ جب وائسرائے نے تحریک سول نافرمانی سے پیدا شدہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے نصف درجن آرڈی نینس جاری کر دئے اس کے باوجود سینکڑوں ریاستوں میں قانون کی حکومت قائم نہیں۔ ریاستوں کی قسمتوں کا دارومدار ان کے حکمرانوں کی ترنگ اور من کی موج پر ہے۔ فرمان جنہیں پھیر میں لاکر 'قانون' کا نام دے دیا جاتا ہے۔ نافذ ہوتے ہیں۔ ٹیکس عائد کئے جاتے ہیں۔ جاگیریں ضبط ہوتی ہیں۔ آزادی کا ستیاناس ہوتا ہے۔ عصمت اور عزت خاک میں ملائی جاتی ہے۔ جن کی پوری تفصیلات نہ کبھی سامنے آئی ہیں۔ اور غالباً سامنے آ بھی نہ سکیں۔ دنیا حیران ہوگی کہ ایسی حرکتیں شملہ کی آنکھوں ناک اور کانوں کے سامنے سرزد

ہو سکتی ہیں ؟ اور ہوتی ہیں -

بہت سی ریاستیں اپنی سرکاری رپورٹیں شائع نہیں کرتیں - جو کرتی ہیں رنگ اور ملمع چڑھا کر - اس لئے صحیح اور مکمل اعداد و شمار دستیاب ہونا مشکل ہیں - لہذا یہ کہنا مشکل ہے - کہ آبادی فی کس کتنی آمدنی کی مالک ہے - "یہ برطانوی ہند سے کسی صورت بھی زیادہ نہیں ہو سکتی - جو زیادہ کھلے تخمینہ کے مطابق کسی صورت ۳ پونڈ ۱۰ شلنگ سے زیادہ نہیں (ہندوستانی ریاستیں برطانوی پناہ ہیں) اغلباً یہ اس سے بہت کم ہے - اگر اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے اور برطانوی ہندوستان کے تخمینے ریاستوں پر منطبق ہو سکیں - غلطی اگر کوئی ہوئی تو مناسب مقام پر ہوگی - ہم کہہ سکتے ہیں کہ آمدنی فی کس ۸۰ روپیہ سالانہ ہے - یہ برطانوی ہند کا تخمینہ ہے - مسٹر جوڈگار نے بڑی احتیاط سے مختلف ریاستوں میں فی کس آمدنی کا تجزیہ کیا ہے - کشمیر میسور اور ٹراونکور کو چھوڑ کر جہاں آمدنی کے کئی اور وسیع ذرائع موجود ہیں - ٹیکسوں کا بار ریاستوں میں برطانوی ہند کی نسبت زیادہ معلوم ہوتا ہے - بڑودہ میں فی کس ٹیکس ۱۵ شلنگ ہے - اندور میں ۱۸ شلنگ - ناوانگر اور کوچ میں

ایک پونڈ ۱۰ شلنگ ۔ بھوان نگر میں ایک پونڈ دوسری ریاستوں کا تخمینہ ۱۵ شلنگ سے ۸ شلنگ تک ہے ۔ اس لئے ہندوستانی ریاستوں میں ٹیکس فی کس برطانوی ہند کی نسبت پچاس یا سو فیصدی زیادہ ہیں ۔

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ ہندوستان کی موجودہ حکومت کے ہاتھوں تعلیم اور حفظان صحت پر صرف کیا جانے والا روپیہ مالیہ اور ٹیکسوں کی قدر سے بہت کم ہے ۔ ہندوستانی آئینی کمیٹی کے فنانشل اسیسر مسٹر لٹن تسلیم کرتے ہیں ۔ کہ "رفاہ عامہ کے محکمہ جات کی نا تسلی بخش ترقی کے جواز میں حکومت ہند یہ بہانہ پیش کرتی ہے ۔ کہ ہندوستان میں ٹیکسوں کی شرح دوسرے ممالک کے مقابلہ میں بہت کم ہے ۔ افواج کی ضروریات زیادہ ہیں ۔ اور محکمہ جات کا معیار قابلیت بلند ہے ۔ یہ تشریح کس حد تک حق بجانب ہے ۔ اس پر بحث کرنا اس کتاب کے موضوع سے باہر ہے ۔ ریاستوں کو لیجئے ان کے ٹیکسوں کی شرح برطانوی ہند کی شرح ٹیکس سے واضح طور پر اونچی ہے ۔ مگر ان کی فوجی اور خدماتی ضروریات برطانوی ہند کی

نسبتاً بہت کم ہیں - ریاست بڑودہ کی فوجی تنظیم کافی اچھی ہے - مگر اس پر سالانہ آمدنی کا صرف ۱۴ فیصدی صرف ہوتا ہے - حکومت ہند افواج پر کل آمدنی کا ۵۵ فی صدی خرچ کرتی ہے - اور اس حقیقت کے باوجود کہ شرح ٹیکس بہت زیادہ ہے - فوجی ضروریات بہت کم ہیں - ریاستیں بالعموم رفاہ عامہ کے محکمہ جات پر برطانوی ہند سے بہت کم صرف کرتی ہیں -

برطانوی ہند میں تعلیم پر فی کس ۹ شلنگ صرف ہوتے ہیں - حفظان صحت پر ۵ شلنگ - اوسط شرح ٹیکس جیسا کہ پیشتر ازیں ذکر کیا جا چکا ہے - ۹ شلنگ فی کس ہے - ریاست بیکانیر فی کس تعلیم پر ۵ شلنگ اور حفظان صحت پر ۴ شلنگ خرچ کرتی ہے - جبکہ شرح ٹیکس فی کس ایک پونڈ ۲ شلنگ ہے - ریاست اندور فی کس تعلیم پر ۷ شلنگ اور حفظان صحت پر ۲ شلنگ صرف کرتی ہے جبکہ شرح ٹیکس ۱۸ شلنگ فی کس ہے - ریاست نواں نگر میں ہر ایک کو ایک پونڈ ۱۰ شلنگ ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے - یا یوں کہیئے کہ جسقدر ٹیکس انہیں برطانوی ہند میں ادا کرنا پڑے - اس سے سہ گنا زیادہ - اتنے

زیادہ ٹیکس ادا کرنے کے بعد لوگ حاصل کیا کرتے ہیں؟ ۴ شلنگ تعلیم پر اور حفظان صحت پر ۳ شلنگ کوچ کی حالت بدترین ہے شرح ٹیکس فی کس ایک پونڈ ۱۰ شلنگ ہے۔ رفاہ عامہ کے محکمہ جات ۳ شلنگ فی کس کے حساب سے حاصل کرتے ہیں۔ مہاراجہ الور جن کی فضیلت اندرون و بیرون ہند میں "خدمتِ خلق" پر قائم ہے۔ اپنی رعایا کی خدمت صحت عامہ پر ایک شلنگ اور تعلیم پر ۳ شلنگ صرف کرتے ہیں۔ ایک بینظیر مہاراجہ صاحب جن کا ذکر پچھلے باب میں کیا جا چکا ہے۔ ایک کروڑ سالانہ آمد فی سے دو لاکھ روپیہ سالانہ اپنی رعایا کی تعلیم پر خرچ کرتے ہیں۔ ایک اور ریاست میں حضور حکمران کی بیویوں پر صرف ہونے والی رقم صحت عامہ اور حفظانِ صحت پر خرچ شدہ روپیہ سے سہ گنا زیادہ تھی۔ مؤخرالذکر ریاست میں شاہی موٹر کاروں اور اصطبلوں پر لگائی گئی رقم تعلیم پر صرف شدہ رقم سے صرف دوگنا زیادہ تھی۔ اسی طرح لاتعداد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ ایک اور ریاست میں شاہی اصطبلوں پر صحت عامہ کی نسبت دوگنا روپیہ صرف ہوتا ہے۔ (شاہانہ ہند۔)

حسب ذیل اعداد و شمار ایک راجپوتانہ ریاست

کی داستان خود بخود کہہ سنائیں گے۔

سال	کل سالانہ آمدنی	تعلیم	میڈیکل	موٹر کاریں
۱۹۲۱-۲۲	۱،۲۰،۳۱،۷۳۸	۱۷۶،۲۷	۱،۸۰،۷۸۵	۱،۴۱،۳۰۵
۱۹۲۲-۲۳	۱،۲۵،۰۳،۵۰۶	۲۱۲،۸۲۵	۱۷۹،۰۳۹	۳،۱۲،۵۳۰
۱۹۲۳-۲۴	۱،۶۲،۷۷،۴۹۸		۱۹۶،۰۷۷	۳،۲۵،۰۷۷

اس سے زیادہ شمع خراشی کی کیا ضرورت ہے۔ شاید یہ سوال کیا جائے کہ ریاستیں رفاہ عامہ پر زیادہ صرف کیوں نہیں کرتیں۔ اس کا بہترین جواب مجلسِ مہاراجگان یا حکومتِ ہند ہی دے سکتی ہے۔ حکومت ہند جواب یہ دے گی کہ وہ مداخلت کرنے سے معذور ہے۔ مجلسِ مہاراجگان اپنے معاملات کو معزز اراکین کی توجہ کا مرکز بنانے کی کوشش نہیں کرے گی۔ "میں ریاست ہوں" ریاست نصف آمدنی اپنی ذات پر صرف کرتی ہے۔ شکایت کیوں ہو۔

زیادہ عرصہ نہیں گذرا ہز ہائی نس جام صاحب آف نواں نگر نے بڑے اشتیاق اور گرمجوشی سے لارڈ ارون کو بتایا "ہم نے رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ چلنے کی کوشش کی ہے۔ ہم

نے ایک مشاورتی کونسل قائم کر دی ہے"۔ بہتر والیانِ ریاست اس بات کے دعوے دار ہیں۔ کہ وہ کسی سے کم ترقی پسند نہیں انہیں بٹلر کمیٹی کو اس بات کا یقین دلانے کے لئے کئی بکھیڑے کرنے پڑے کہ ان کی ریاستیں ترقی پسندانہ نظامِ حکومت کی حامل نہیں۔ لیکن وہ اپنے مقصد میں بالکل کامیاب نہ ہو سکے۔ ہم ان ریاستوں کی ہر گز مذمت نہیں کرنا چاہتے۔ جو تہ دل سے اس بات میں کوشاں ہیں۔ کہ ریاست کے نظم و نسق میں رعایا سے امداد و تعاون حاصل کریں۔ با ایں ہمہ بلا خوف تردید یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ ایسے حکمرانوں کی تعداد بہت کم ہے۔

بٹلر کمیٹی اپنی رپورٹ کے پندرہویں پیرے میں ان اسمبلیوں کا ذکر کرتی ہے۔ "اوّلیں اہمیت کی مالک ۱۰۸ ریاستوں میں سے ۳۰ ریاستوں نے مجالس آئین ساز قائم کر رکھی ہیں۔ جن میں زیادہ اسمبلیاں مشاورتی نوعیت کی مالک ہیں"۔ ذرا زبان کا کمالِ ڈپلومیسی ملاحظہ ہو۔ زیادہ تر مشاورتی نوعیت کی مالک ہیں۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ بمقام بیکانیر راجپوتانہ سٹیٹس پیپلز کانفرنس کا اجلاس عمل میں آیا۔ مجلس استقبالیہ کا خطبہ صدارت ان اسمبلیوں کی بناوٹ اور تشکیل پر دلچسپ

روشنی ڈالتا ہے۔

راجپوتانہ کی تمام اکیس ریاستوں میں موروثی مطلق العنانی کا دوردورہ ہے۔ بیکانیر کو چھوڑ کر کسی ریاست میں لیجسلیٹو کونسل موجود نہیں۔ بیکانیر لیجسلیٹو اسمبلی ۴۵ ممبران پر مشتمل ہے۔ جس میں منتخبہ ممبران ۱۸ ہیں۔ باقی نامزد اور افسران ہیں منتخب ممبر براہ راست لوگوں کے ووٹ سے منتخب نہیں ہوتے۔ ان کا انتخاب میونسپل کمیٹیوں سے ہوتا ہے۔ جس پر افسر طبقہ قابض ہے۔ اسمبلی کے ریزولیشن خالصًا مشاورتی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ قوانین اور آئین وضوابط اسمبلی میں پیش کئے بغیر معرض عمل میں آ سکتے ہیں۔ دیگر تمام ریاستوں میں لوگوں کی مرضی اور رضا کے ذریعہ آئین سازی کا شائبہ تک موجود نہیں۔

کوئی زیادہ عرصہ نہیں گذرا "ینگ راجستھان" نے اس اصلاح پسندانہ دستور اساسی سے متعلق ہمارے علم کی خلائیں پر کردیں۔ جو لارڈ اروِن اور راسخ الاعتقاد برطانوی رعایا پر یہ اثر پیدا کرنے کے لئے عمل میں لایا گیا۔ کہ والیان ریاست رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔

ریاست کا اہم ترین ادارہ ایگزیکٹو کونسل ہے۔ لیکن بدقسمتی سے کونسل کے ممبران نہ تو مجلس آئین ساز کے ماتحت ہیں۔ اور نہ ہی اس کے سامنے جواب دہ ہیں۔ وہ کسی طرح بھی ریاستی رعایا کے نمائندہ نہیں۔ انہیں براہ راست مہاراجہ صاحب منتخب کرتے ہیں۔ اور جب تک وہ مہربان ہوں۔ عہدہ پر مامور رہتے ہیں۔ مجلس آئین ساز کو اس بات کا کوئی حق حاصل نہیں۔ کہ وہ مجلس آئین ساز یا میونسپل کمیٹیوں کے ان قوانین پر اعتراض اٹھائے۔ جو مضافات میں انہوں نے نافذ کئے ہوں۔ تحصیلدار یا ناظم اجلاس میں صدارت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ اس طرح منتخبہ ممبران کی ایک بھاری اکثریت دراصل نامزدہ ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اسمبلی میں ایک بھی عوام کا نمائندہ موجود نہیں۔ ایسے ممبروں سے جو نام نہاد طور پر منتخب کئے جاتے ہیں۔ اس بات کی امید نہیں کی جاسکتی۔ کہ وہ اپنے حلقہ کے لوگوں سے اظہار ہمدردی کرسکیں۔ یا ان کی نمائندگی کا حق ادا کرتے ہوں۔ اور نہ ہی ان سے یہ توقع رکھی جاسکتی ہے۔ کہ وہ اسمبلی کے اہم اور گوناں گوں فرائض سے عہدہ برا ہو سکتے ہوں"

مگر سٹیٹس پیپلز کانفرنس یا "راجستھان" کی اوراق گردانی

کی کیا ضرورت ہے ۔ سرکاری رپورٹیں جو ہم چاہیں ہمیں بتا سکتی ہیں ۔ مثلاً حیدر آباد اور بیکانیر کی مجالس آئین ساز ہمارے سامنے ہیں ۔ حیدر آباد کی سرکاری رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے (سنہ ۲۷-۱۹۲۶ء) کہ ریاستی کونسل کا اجلاس سال میں صرف دو بار ہوا ۔ جس میں دو بل پاس کئے گئے ۔ بایں ہمہ رپورٹ خاموش ہے ۔ کہ ان بلوں پر غور و خوض کرنے پر کیا وقت صرف ہوا ۔ اور کیوں اور کارروائی نہ ہوئی ۔ دوسری طرف بیکانیر کی اسمبلی نے لیجسلیٹو کارگذاری کی مثال قائم کر دی سنہ ۲۸-۱۹۲۷ء میں دو اجلاس بلائے گئے ۔

جنوری اجلاس تین دن اور ستمبر اجلاس دو دن چلا ۔ تین دن کے اجلاس کی کارروائی والیانِ ریاست اور ریاستوں کی پوزیشن اور بادشاہت کے فرائض منصبی پر حضور ہز ہائی نس کے اعلان سال سنہ ۲۸-۱۹۲۷ء کے مالی بجٹ پر بحث، چھ ریزولیشنوں، توضیحی تقاریر اور چھ بلوں پر مشتمل ہے ۔ دو روزہ اجلاس وزیر اعظم کی افتتاحی تقریر، حضور ہز ہائی نس کی افتتاحی تقریر ۔ چار توضیحی تقاریر، چار ریزولیشنوں اور چار بلوں پر مشتمل ہے ۔ یہ ایک ایسی مثال ہے ۔ جو اگر آپ اتفاق کریں ۔ تو اس کے متعلق یہ کہنا غیر موزوں نہ ہوگا ۔ کہ یہ حیرت سے بھی زیادہ حیران کن

مثال ہے۔

شاید آپ یہ پوچھ لیں کہ ان اسمبلیوں کا فائدہ کیا ہے۔ مسخرہ کونسلوں کے قیام کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کیوں نہ براہ راست فیض بخش مطلق العنانی قائم رہے۔ آخر اس ڈھونگ کا مطلب کیا ہے۔ جسے مسٹر ڈین جمہوریت کی زبان اور مستبدوں کا دستور قرار دیتے ہیں۔ چند والیانِ ریاست ایسے ہیں۔ (جیسا کہ ہم پہلے تسلیم کر چکے ہیں) جو اپنی رعایا کو نظام حکومت میں حصہ دار بنانے میں نیک نیت ہیں۔ لیکن ایسی اسمبلیوں کے قیام کی کئی اور وجوہات بھی ہیں۔ شاید والی ریاست کو اپنے یورپی سفر کے دوران میں جمہوری طرز استدلال کی ضرورت ہو۔ یورپ مہاراجوں کا گرویدہ ہے۔ مگر مطلق العنانوں کا دشمن۔ جو حکمران اپنے آپ کو جمہوری اور ترقی پسند ظاہر کر سکے مقبول ہو جاتا ہے۔ مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اگر ریاست بھاری بے چینی اور بد انتظامی کا گھر ہو حکمران ریاست کی اس قدر سالانہ آمدنی پر ہاتھ صاف کر رہا ہو۔ جسے مجلسِ مہاراجگان حق بجانب نہ ٹھہرا سکے۔ تو مہاراجہ صاحب کے لئے نظم و نسق پر قلعی چڑھانے کا بہترین طریقہ۔

اور مقصد برآری کا بہترین راستہ پولیٹیکل محکمہ اور گورنر جنرل کے ایجنٹ پر یہ ظاہر کرنا ہے۔ کہ آپ آئین پسند حکمران ہیں۔ ایک اسمبلی یا کونسل کا ڈھونگ کھڑا کر دیا جائے گا۔ تمسخرانہ کارروائیوں میں اس بات کی کوشش کی جائے گی۔ کہ ایک نسل کے جرموں پر استبداد کے ایجنٹوں اور ظلم و جفا کے غلاموں کی معرفت چشم پوشی کی جائے۔ اس طرح کے مصنوعی جمہوریت پرستوں میں جنوبی ریاست کے ایک حکمران شامل ہیں۔

والی ریاست غیر مقبول تھے۔ اپنے بیٹے کی شادی کے روز اوّل سے مہاراجہ صاحب نے اپنی بہو میں کسی ناموافق دلچسپی کا اظہار نہ کیا۔ جس نے قدرتاً ولی عہد کے دل میں شبہات پیدا کر دیئے۔ اور ولی عہد کو اپنی بیوی سے متعلق ناعاقبت اندیش باپ کے مخفی مقاصد کا سراغ لگانے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ یوراج نے دیدہ دانستہ اور بڑی دلیری سے والدِ بزرگوار کی خواہشات کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا۔ جس کا نتیجہ ناخوشگوار جھگڑا نکلا۔ یوراج کے لئے جینا دوبھر ہو گیا۔ کیونکہ اسے ہر ممکن طریقہ سے جبر کا شکار بنایا گیا۔ اسے ضروریات زندگی کے لئے روپیہ سے محروم کر دیا گیا۔ سرداروں اور افسران

کو مہاراجہ صاحب نے حکماً ریاست کے آنے والے حکمران کی تعظیم و تکریم سے منع کر دیا۔" (شاہانہ ہند)

اس دلیرانہ اعلان کے باوجود کہ "ہم رفتار زمانہ کے ساتھ چلنے کی کوشش کر رہے ہیں"۔ دلوں کی تہ میں حکمرانوں کی اکثریت اس بات سے کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتی۔ کہ لوگوں کے خیالات اور جذبات کیا ہیں۔ وہ اپنی رعایا کے مطالبات کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ یہ ہے بھی قدرتی امر۔ کیونکہ جمہوریت آئینی بادشاہت پر سحر پھونک دیتی ہے۔ یہ انسانی فطرت کی نہایت سچی مثال ہے۔ مقام حیرت ہے کہ پانچسو انوکھے مختار مطلق بذات خود اپنی مرضی سے ان اختیارات اور مراعات سے دست بردار ہو جائیں گے۔ جو آج انہیں حاصل ہیں۔ یہ درست ہے کہ ان میں اکثر تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی امان لوگوں کی خوشنودی میں مضمر ہے۔ لیکن قول عمل سے آسان ہے اور تقریباً تمام والیان ریاست بلندیوں میں پرواز کرنے کی موہوم امیدوں پر جیتے ہیں۔ حسب ذیل تقریر کے پس پردہ مطالب پر پہنچنے کی کوشش کیجئے۔

"حقیقت یہ ہے۔ کہ لوگوں کی جدید اور ترقی پسندانہ

خیالات سے لاعلمی انہیں متعصبانہ قدامت پرستی کا آسان شکار بنا دیتی ہے۔ جس کے باعث نہایت قابل افسوس فرقہ وارانہ جھگڑے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور ان کے دلوں میں مجلسی اور دیگر اصلاحات کے متعلق نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ تعلیم کی مخالفت اور جدید ڈاکٹری۔ حفظ صحت اور سائنٹفک طریقے اختیار کرنے میں ضد ان کی سیاسی ترقی کی راہ میں حارج ہوتی ہے۔ ہم ہاتھ کے کرشمہ سے ان حالات کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے پیہم دیانتدارانہ کام کی صدیاں درکار ہیں۔ اور میرا خیال ہے۔ کہ یہ قابلِ عمل تدبیر نہ ہو گی۔ کہ قرونِ وسطے کے لوگوں پر بیسویں صدیوں کے جدید طریقوں سے حکومت کیجائے۔ بہر کیف یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ گمراہ اور غیر ذمہ دار جمہوریت ملک کے لئے زبردست خطرہ ہے اور خطرہ ثابت ہو سکتی ہے۔ اور اس طرح امن عالم کے لئے بھی۔ میرا پختہ یقین ہے۔ کہ اہل ایشیا کی کامیابی ایشیائی رہنے میں ہے۔ مجھے ڈر ہے۔ کہ ہم پہلے ہی ایسے مغربی خیالات میں گھر چکے ہیں۔ جو ہمارے ایشیائی ذہنوں پر زبردستی ٹھونسے گئے ہیں۔ اور جن کے لئے ہم نے اپنے تمدن کی قیمت ادا کی ہے

اور بھاری نقصان اٹھایا ہے۔ کم از کم اس وقت تک اس میں اضافہ کی اور جگہ خالی نہیں۔ جب تک ہمیں پوری طرح احساس نہ ہو جائے۔ کہ اس عمل کا نتیجہ ہندوستان کے عظیم ماضی کو فراموش کرنا نہیں ہوگا۔ اس لئے ہندوستان کے وفادار فرزندوں کو میری یہ دلی نصیحت ہے۔ کہ تعمیر شدہ عمارت کو مسمار کرنے سے قبل انہیں نشیب و فراز پر غور کر لینا چاہیئے۔"

(نواب بھوپال - ۲۹-۹-۲۱)

"چودگار کا دعواے ہے۔ کہ میسور۔ ٹراونکور اور کوچین کی استثنائے بغیر ہندوستان میں کوئی ریاست ایسی نہیں۔ جس میں لوگوں کے نمائندوں کو پر اثر آواز حاصل ہو۔ قانون حکمران کی طرف سے یا ان کی ہدایات کے مطابق۔ احکام۔ فرمان اور فتوے کی شکل میں جاری کئے جاتے ہیں۔ ان کی بنیاد حکمران کی ترنگ سے زیادہ گہری نہیں ہوتی۔ چند ریاستوں میں برطانوی قوانین اور ضوابط والئی ریاست کی مرضی کے مطابق تھوڑی بہت ترامیم کے بعد اپنا لئے گئے ہیں۔ مگر یہ نام نہاد قوانین والئی ریاست پر حاوی نہیں۔ وہ انہیں منسوخ کر سکتا ہے۔

ان میں ترمیم لا سکتا ہے۔ انہیں معطل کر سکتا ہے۔ وہ جسے چاہے آزادی سے محروم کر سکتا ہے۔ اسے غیر مشروط عرصہ تک جیل میں ٹھونس سکتا ہے۔ وہ ہر کسی کی جائداد ضبط کرنے کا مجاز ہے۔ عدالتوں میں چل رہے مقدمات واپس لے سکتا ہے۔ اور کسی قانون اور ضابطہ کی پرواہ کئے بغیر احکامات جاری کر سکتا ہے رعایا کو والئے ریاست کے احباب کے خلاف یا حقوق پر چھاپہ مارنے کی بنا پر استغاثہ گذارنے یا سوال یا عرضی دینے کا حق نہیں۔ اگر کوئی ادنےٰ سے ادنےٰ افسر اپنی ذاتی حیثیت میں کسی فوجداری جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور اگر اسی کا جُرم کسی صورت میں بھی اس کی ڈیوٹی سے بطور افسر متعلق نہ ہو۔ حکمران کی منظوری کے بغیر اس پر مقدمہ چلایا نہیں جا سکتا۔ اگرچہ پبلک جلسوں۔ اخبارات کی اشاعت اور جماعت بندی پر کوئی خاص تعزیر نہیں۔ اس کے باوجود کوئی پبلک جلسہ خواہ اس کی نوعیت مجلسی ہو۔ منعقد کرنے کی اجازت نہیں۔ کوئی اخبار شائع نہیں کیا جا سکتا۔ اور کوئی جماعت والئی ریاست کی اجازت کے بغیر قائم نہیں کی جا سکتی۔ اگر کوئی جلسہ منعقد ہو۔ اخبار شائع کی جائے۔ یا جماعت قائم کی جائے۔ پولیس

ہر وقت مداخلت سے کام تمام کر سکتی ہے۔ جس کا کوئی علاج نہیں (برطانوی پناہ میں ہندوستانی حکمران)

ریاستی راجیہ رائے عامہ سے بہت بلند ہے۔ بادشاہ ریاست ہے۔ بادشاہ غلطی و خطا سے بالاتر ہے۔ دو اصول ہمارے درپیش ہیں۔ قانونی معیار ـــ بقول سر لیز لے سکاٹ ـــ جو رعایا اور حکمران کے درمیان روابط و تعلقات منضبط کرتا ہے۔ اگر بادشاہ خطا و غلطی سے بالا ہیں۔ اور عنانِ حکومت ان کے ہاتھ میں ہو۔ انتظامی مشین لازماً بے خطا ہو گی۔ جو بے خطا ہے۔ اور جس سے خطا سرزد نہیں ہو سکتی۔ یقیناً لاریب ہے۔ اس کی حکومت جیسی بھی ہو۔ کسی بات پر باز پرس نہیں ہو سکتی۔ اس تھیوری پر ہندوستان کی سینکڑوں ریاستوں کا نظام حکومت قائم ہے۔ اگر کوئی ان مسلمہ قانونی اصولات کے خلاف دماغ میں خیال لانے کی جرأت کرتا ہے۔ خوفناک راستہ اختیار کرتا ہے۔ اگر اسے جلاوطن کر دیا جائے۔ تو وہ ریاست کا باشندہ نہیں رہتا۔ اسے ریاستی رعایا سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ اگر نکتہ چین اخبار ہو تو اس کا ریاست میں

داخلہ بند کر دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ "ٹائمز آف انڈیا" کو بھی کئی بار ایسی قسمت سے دوچار ہونا پڑا۔ آپ خواہ کوئی ہیں۔ آپ کی زندگی، آپ کی جائداد، آپ کی آزادی اور بالعموم آپ کی عورتوں کی عصمت حکمران کے رحم اور ترنگ پر ہے۔ اس کے احکامات کے خلاف نہ تو کوئی اپیل یا نگرانی ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی اندرون و بیرون ریاست میں کسی عدالت میں کوئی کاروائی ہو سکتی ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ میں آپ کی عرضداشت فائل کر لی جائے گی۔ اور بس۔ والیٔ ریاست جانتا ہے۔ کہ وہ اپنے منصب سے لوگوں کی مرضی سے سرفراز نہیں۔ نہ کسی آئین ساز مجلس نے اسے یہ شرف عطا کیا ہے۔ اس کا سبب فتوحات یا فوجی مراعات بھی نہیں۔ بلکہ پیدائش یا متبنیت کے حادثہ اور اقتدار اعلیٰ کے تسلیم کرنے سے یہ مرتبہ ملا ہے۔ خود مختاری اندرون اور بیرون ریاست ناممکن التسخیر ہے۔ اگر کوئی کسی ریاست کی حکومت کو اس کے حقیقی رنگ میں پیش کرنے کی جسارت کرتا ہے۔ تو قانون تحفظِ راجگان اسے شکنجے میں آجکڑتا ہے۔ ریاست کی حدود میں مہاراجہ جس طرح چاہے اور جو کچھ چاہے کر سکتا ہے۔ وہ ایسی چیز کو جرم قرار دے سکتا ہے۔ جو روز وقوع تک جرم نہ

سمجھی جاتی ہو۔ چاہے تو آپ سے حق شہریت چھین لے۔ اور چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ریاست بدر ہونے کا حکم کر دے۔ تمہاری اولاد کو حق وراثت سے محروم کر دے۔ زیر حراست لے کر حوالات بھیج دے۔ اور وہاں اتنا عرصہ اور ایسی پابندیوں کے ماتحت بند رکھے جو اسے منظور ہوں۔ چاہے تو کسی نہایت معمولی فرضی جرم میں عمر بھر قید رکھ کر مشقت شاقہ لے۔ اور اگر آپ نے اس کے مفاد میں قتل سرزد کیا ہو۔ تو آپ کے نام جاگیر نافذ کر دے۔ نظریہ پادشاہت یہ ہے۔ کہ حکمران ہر فعل میں آزاد ہے۔ خواہ وہ فعل آئینی مجلسی اور اخلاقی طور پر ناجائز ہو۔ اس کی بازپرس نہیں ہو سکتی۔ یہ آزادی اس کا یزدانی حق ہے۔ اقتدار اعلیٰ کی مداخلت اور اس کے نتائج ناراضی سے بالا ہیں۔

جدید علم اصولِ قوانین فی الواقع بغاوت کا جُرم فراموش کر بیٹھا ہے۔ حق تقریر اور حق جماعت بندی موجودہ سماج کا سنگ بنیاد ہیں۔ با ایں ہمہ کچھ ایسے قانون ہیں جنہوں نے برطانوی ہند میں حق تقاریر اور جماعت

بندی کی حدود مقرر کر رکھی ہیں۔ مگر ان قوانین پر زیادہ سختی سے عمل نہیں ہوتا۔ جو بات آج سے بیس سال پہلے بغاوت تھی۔ آج بغاوت نہیں رہی۔ باغیانہ خیالات کے پرچار میں زیادہ سے زیادہ دو سال سزا ہے۔ لیکن عدالتیں شاذ و نادر ہی زیادہ سے زیادہ سزائیں دیتی ہیں۔ اور اپیلوں میں سزا اور گھٹ جاتی ہے۔ ریاستوں میں قوانین بغاوت برطانوی ہند کی نسبت زیادہ شدید ہیں۔ پانچ سال قید با مشقت حکومت سے معمولی سا اختلاف رکھنے کا معاوضہ ہے۔ ان قوانین سے متعلق ہم راجپوتانہ کی دو ریاستوں کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ الور کا قانون حسب ذیل ہے۔

(۱) پانچ افراد سے زیادہ کا مجمع اس قانون کے مفہوم میں پبلک جلسہ سمجھا جائے گا۔ اگر اس کے برعکس ثابت نہ ہو سکے۔

(۲) کسی پبلک جلسہ میں کسی ایسے موضوع پر بحث یا اس کی تبلیغ نہیں کی جائے گی۔ جس سے کسی ایسی چیز کا اندیشہ ہو۔ جو الور ریاست۔ اس کی حکومت۔ والئ ریاست۔ حضور شہنشاہ سلامت آپ کی حکومت یا کسی دوسرے والئ ریاست کے مفاد کے خلاف ہو۔

(۳) کوئی شخص پبلک جلسہ کے انعقاد - انتظام یا دیدہ دانستہ اس میں حصہ لینے کی کوشش نہیں کرے گا - اور نہ ہی کوئی ایسی کوشش سے سروکار رکھے گا - کوئی شخص اندرون یا بیرون ریاست میں ایسا مضمون یا مسودہ لکھے چھاپے یا نشر نہ کرے گا - یا ایسا کرنے کی کوشش نہ کرے گا - جس میں بالواسطہ یا بلاواسطہ ہز ہائی نس مہاراجہ الور آپ کی حکومت، حضور شہنشاہ سلامت یا کسی دوسرے والی ریاست کے مفاد کے خلاف میلان یا جھکاؤ موجود ہو۔

(۴) کوئی شخص ریاست میں ایسے مضامین تحریر نہیں کرے گا - اور نہ ہی بیرون ریاست سے اپنے قبضہ میں رکھنے کے لئے منگائے گا - ایسے افراد گرفتار ہونے پر پانچ سال سزا یا دو ہزار روپیہ تک سزا کے مستحق ہوں گے - مجرم - اگر ضرورت ہو - جلاوطن کئے جانے کے سزاوار ہوں گے۔"

اب ریاست جودھپور کے ضوابط ملاحظہ ہوں۔

(۱) جو کوئی تحریر و تقریر اشارات معلوم بیان یا کسی اور طرح سے ہز مجیسٹی شہنشاہ ہند ہز ہائی نس مہاراجہ جودھپور یا آپ کی حکومت کے خلاف حقارت و منافرت پیدا کرتا ہے۔

یا پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یا ان کے خلاف بداطمینانی یا سرکشی پھیلاتا ہے۔ یا پھیلانے کی کوشش کرتا ہے بغاوت پھیلانے کا مجرم قرار دیا جائے گا۔

کوئی پبلک جلسہ کسی ایسے معاملہ پر بحث کرنے کے لئے منعقد نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی کسی مطبوعہ مضمون یا مسودہ کی نمائش یا تقسیم کی جا سکتی ہے۔ جس سے امن عامہ میں خلل پیدا ہونے کا امکان ہو۔

مارواڑ کے ہر فرد کو چاہیئے۔ کہ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص کے قبضہ میں کوئی باغیانہ پمفلٹ یا ممنوع اخبار یا رسالہ ہے۔ یا کوئی ایسا مسالہ ہے جس سے امن عامہ میں خلل کا اندیشہ ہو تو وہ ۴۸ گھنٹوں کے اندر اندر قریب ترین مجسٹریٹ یا تھانہ میں اس کی اطلاع دے۔

"مارواڑ کا کوئی باشندہ کسی ایسے شخص کی مہمانداری نہیں کرے گا۔ نہ اسے پناہ دے گا۔ جس سے متعلق اسے علم ہو۔ کہ وہ بدنام باغی ہے"۔

ریاستوں میں جہاں حکومت پر نکتہ چینی کی اجازت نہیں

جہاں انتظامی اور عدالتی محکمے حکمران کے احکامات رجسٹر کرنے پر معمور ہوتے ہیں۔ پبلک ملازمین کی قابلیت اور سلامت روئی کا کوئی معیار قائم کرنا ممکن نہیں۔ کوئی شخص وثوق سے کچھ کہہ نہیں سکتا۔ کہ دوسرے دن اُس کی والی ریاست کی نظروں میں کیا حیثیت ہوگی۔ یا محلِ شاہی میں کیا کھچڑی اندر ہی اندر پک رہی ہے۔

چند ایک ریاستوں کے قطع نظر کوئی ریاست ایسی نہیں۔ جس میں افسر کسی خاص قابلیت یا خوبی کی بنا پر منتخب ہوتے ہوں۔ یہ ایک مشہور حقیقت ہے۔ کہ ریاست میں ملازمت حاصل کرنے کے لیئے سب سے بڑی قابلیت والی ریاست سے رشتہ میں منسلک ہونا ہے۔ اسلیئے سسر اور خوش دامن دو ایسی شخصیتیں ہیں۔ جن کے لئے ریاست میں ترقی کے تمام ذرایع موجود ہوتے ہیں۔ لیکن یہ تعلقات اسی دم تک موجود رہتے ہیں۔ جب تک ان کی بہن یا بیٹی منظور نظر ہے۔ اکثر ریاستوں میں کامیابی حاصل کرنے کا بہترین راستہ یہ ہے۔ کہ والی ریاست کے لیئے ایک جورو مہیّا کر دی جائے

دوشیزہ ہو تو کیا ہی بات ہے۔ لیکن عام حالتوں میں ایک خوش وضع عورت بھی کام بنا دیتی ہے۔ اور جن لوگوں میں یہ اہلیت موجود ہو۔ کہ وہ نت نئے رنگ کی آئے روز حبا کر سکتے ہوں۔ دربار میں سب سے زیادہ اثر پیدا کر لیتے ہیں۔ راقم الحروف اس نوعیت کے کئی واقعات سے ذاتی طور پر سے آگاہ ہے۔ لیکن یہاں ہم معیارہ دو تین عورتیں ہی رکھ لیتے ہیں۔ ایک حکمران کی داستان کافی شہرت حاصل کر چکی ہے۔ آپ کی ہمت سے آپ کے یورپی پرائیویٹ سیکرٹری کی دختر کے ہاں فرزند نے جنم لیا۔ بات بگڑ گئی۔ لیکن فوراً ہی سیکرٹری صاحب ایک اعلیٰ منصب پر سرفراز کر دئے گئے۔ اور عورت موصوفہ کو بچے کی معیت میں یورپ بھیج دیا گیا۔ اس طرح یہیں معاملہ رفع دفع ہوا۔ ایک سے زیادہ وزیر اعظم اس آدمی اور اس کے رشتہ داروں کے مکروہ اثر سے تنگ آکر مستعفی ہو گئے۔ وزیر صاحب نے حضور ہز ہائی نس کے لئے صنف نازک کی فراہمی میں کوئی کمی نہ ہونے دی۔ اور حکمران صاحب آپ کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن گئے۔ ایک رسالہ نے اس ریاست کے حالات بیان کرتے ہوئے حسب ذیل حقائق سے پردہ

کشائی کی ہے۔

"دو بدنام شخصیتوں نے نوجوان مہاراجہ کو گمراہ کر رکھا ہے اور اس طرح ریاست پہ تباہی کا تور پھونکا جا رہا ہے۔ وزیر صاحب اور ان کے فرزند ارجمند ریاست میں مختار مطلق ہیں۔ حضور مہاراجہ کا صرف نام ہی نام ہے .... کا خاندان جو اور جس طرح چاہتا ہے۔ کرتا ہے۔ اور ان کے اختیار پہ حرف اٹھانے کی کسی میں تاب نہیں۔ ریاست کی ملازمتیں .... خاندان کے ممبران۔ رشتہ داروں اور مقربین میں تقسیم کی جاتی ہیں۔ جب امیدوار اس خاندان سے کسی طرح بھی متعلق ہو۔ قابلیت یا لیاقت کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی صاحب منسٹر .... کی نگاہ عتاب کا نشانہ بن جائے۔ تو اس کا دماغ اُن غنڈوں سے درست کرایا جاتا ہے۔ جنہیں کپتان پولیس اپنے سایہ میں لے لیتے ہیں۔ یہ کپتان صاحب ریاست کے وزیر کے لڑکے ہیں۔"

اب ایک اور مہاراجہ صاحب کا ذکرِ خیر سنیئے۔ انہوں نے اپنی فوج کے ایک سپاہی کو منصبِ جاگیرداری پہ فائز کر کے ریاست میں اس درجہ اثر و رسوخ بنا دیا۔ کہ آپ عملاً حکمران

بن گئے۔ ریاست ۔۔۔۔۔۔ کی عورتوں کے لئے عصمت بچانا ناممکن ہو گیا۔ قابل عزت اور بڑے بڑے برگزیدہ خاندانوں کو اپنی عصمت بچانے کے لئے ریاست چھوڑنا پڑی۔

"یہ سپاہی بالکل ناخواندہ تھا۔ اس نے ان افراد کے خلاف جنہوں نے کسی طرح بھی اس کے حکم کی سرتابی کی جبر و ظلم کے تمام ذرائع پس پشت ڈال دئے۔ اس سلسلہ میں یہ واقع قابل ذکر ہے۔ کہ حضور والیٔ ریاست کی نگاہ پسند ایک دلربا بیاہتہ عورت پر جا پڑی۔ سپاہی موصوفہ کے لئے جو کسی وقت محض ایک ادنےٰ سپاہی تھا۔ مگر اب سردار بن چکا تھا۔ یہ ضروری تھا۔ کہ وہ والیٔ ریاست کے لئے اس عورت کو مہیا کرنے کا انتظام کرے۔ ایک رات اس عورت کے مکان پر دھاوا بول دیا گیا۔ اس کے خاوند کو گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔ اور "لڑکی کو والی ریاست کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ لیکن اس نے مہاراجہ صاحب کی نگاہِ التفات کا نشانۂ مشق بننے سے انکار کر دیا۔ لہذا حکم نافذ ہوا۔ کہ اس کے ساتھ زنا بالجبر کیا جائے۔ اس کام پر دس آدمی معمور کئے گئے۔ انہوں نے جبراً اُسے اپنی ہوس رانیوں کا شکار بنایا۔ اور پھر اس کا سر تن سے جدا

کرنے کے بعد کنویں میں پھینک دیا گیا۔"

اگر کسی بنا پر منظورِ نظر نگاہوں سے گر جائے تو اسے چوبیس گھنٹہ کے اندر اندر اپنا بستر بوریا سنبھال ریاست بدر ہونے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس نے دو سال خدمت کی ہو یا بیس سال تحصیلدار ہو یا وزیر اعظم۔ اس کی تنخواہ دس روپیہ ماہوارہ ہو۔ یا ... ۳ روپیہ۔ اگر والی ریاست کو اس کی ضرورت نہ رہے۔ اسے نکلنا ہی پڑتا ہے۔ اور جتنا جلد نکل جائے بہتر ہے۔ اگر کسی بنا پر کوئی مقررہ ۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر ریاست سے باہر نہ نکل سکے۔ تو اسے گرفتار کر کے اس پر غداری یا بددیانتی کا مقدمہ چلایا جاتا ہے۔ اس کی جائداد ضبط کر لی جاتی ہے۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے تنگ و تاریک تہ خانوں کی رونق بن جاتا ہے۔ اگر کچھ عرصہ بعد وہ اپنے لئے آزادی خریدنا چاہتا ہو۔ اور والی ریاست کی نگاہِ کرم سے فیضیاب ہونے کا متمنی ہو۔ تو اسے کسی ایسے شخص کا کام تمام کرنے پر معمور کیا جاتا ہے۔ جو مہاراجہ صاحب کو پسند نہ ہو۔ یا کسی ایسے شخص کی خوشامد کرنا پڑتی ہے۔ جسے ہز ہائی نس کی خوشنودی حاصل ہو۔ اگر کوششیں پروان چڑھ

جائیں۔ تو مشہور اور مقتدر پھر وزیر بن جاتے ہیں۔

چند ریاستوں میں عورتیں مہیا کرنا دلالوں کے سپرد ہے۔ دلالہ بھی کام کرتی ہیں۔ ایک مشہور والی ریاست کا قصہ زبان زدِ خاص و عام ہو چکا ہے۔ جنہوں نے اپنی دولت اور جوانی لاہور کی ایک داشتہ پر نچھاور کر دی۔ ہزہائی نس کونسل کے صدر ہیں۔ لیکن ریاست کی حقیقی حکمران کے متعلق مشہور ہے۔ کہ وہ کسی وقت لاہور کی بازاری عورت تھی۔ چند سال ہوئے ایک راجپوت ریاست کی سیاسی دنیا میں رقاصہ کا وسیع اثر ورسوخ لوگوں کی بحث کا موضوع تھا۔

محبت .... کے دل کی ازلی دولت ہے۔

محبت درد سر یا خسرہ کی طرح ایک مرض ہے۔ یہ ایک ایسا مرض ہے۔ جس کا شکار اکثر اور افضل سے افضل ہو جاتے ہیں۔ بلاشبہ وہ شہر بھر میں سب سے زیادہ حسین اور دلربا عورت تھی۔ لیکن لوگوں کی رائے میں اُسے سن رسیدہ حکمران کے سپرد کر کے ضائع کر دیا گیا۔ یہ حقیقت ہے۔ کہ وہ اتنے بوڑھے تھے۔ کہ اس کے دادا معلوم دیتے تھے۔ لیکن حسینہ دل و جان سے اپنے بوڑھے خاوند کی گرویدہ تھی۔

اور بے پناہ دولت کی خاطر ایک غریب رقاصہ کا ایسا ہونا بُرا نہیں - سب سے پہلے وہ ایک رقاصہ کی حیثیت میں ساٹھ روپیہ ماہوار پر دربار میں ملازم ہوئی - لیکن بعد ازاں اس کی کشش کا یہ عالم ہوا - کہ شہر بھر میں ناچ میں کوئی اس کے مدمقابل نہ تھا - اس کی خمیدہ نگاہیں بڑے سے بڑے طاقتور انسان کا دل چیر دیتی تھیں -

"اس کے منہ سے نکلا ہوا ہر ایک لفظ قانون کا درجہ رکھتا تھا - اور اس نے اپنے اثر کو اپنے مفاد میں ہر طرح استعمال کیا - جس کسی کو والی ریاست سے کوئی سروکار تھا - یا کوئی کام ہوتا - اس کے مکان پر سونے اور چاندی کے تحائف ادا کرنے حاضر ہو جاتا - پورے پانچ سال تک یہ رقاصہ ریاست پر حکمران رہی"

ایک اور ریاست میں رقاصہ کے اثر سے متعلق حال ہی میں ذکر ہوا ہے -

"وہ مقدمات کے فیصلے کرتی - اپنے چاہنے والوں کو مناسب ترقیاں عطا کرتی - نواب اس کے ہاتھوں میں کھلونا تھے - ہر کام میں اس کا اپنا ہی انداز تھا - یہاں تک کہ اس نے

اپنے عاشق منتخب کر رکھے تھے۔ چونکہ نواب صاحب اس کی نفسانی خواہشات پورا کرنے کے قابل نہ تھے۔

یہ ایسے حالات نہیں ہیں۔ جو کبھی کبھار رونما ہوتے ہوں۔ انصاف کی زناکاری آئے روز کی بات ہے۔ اور نہ ہی ریاستوں میں ملازموں کو ثبات حاصل ہے۔ ریاستیں ان دو باتوں کے متعلق اس قدر بدنام ہو چکی ہیں کہ یہ رسوائی ریاستی خصوصیات کا لازمی جز بن چکی ہے۔

ریاستوں میں لوگ خوش امید شرائط پر نوکر رکھے جاتے ہیں۔ مگر جلد ہی کمینہ رحجانات اپنا کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور پھر انہیں برطرف کرنے کے بہانے تراشے جاتے ہیں۔ ایسا کرنے میں نہ تو کسی افسوس کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اور نہ ہی دیانت کا پاس رکھا جاتا ہے۔ زیادہ حالتوں میں فاحشہ عورتیں خوشامدی ٹٹو اور خودغرض مصاحب والی ریاست کو گھیرے ہوتے ہیں۔

یہی رسالہ ایک راجپوت ریاست کی مثال پیش کرتا ہے۔

”وہ پنڈت جی پندرہ سال سے زیادہ عرصہ تک مختلف حکمہ جات میں خدمات سرانجام دے چکے تھے۔ پہلے وہ خود

وزیرِ عدل تھے - پھر سپرنٹنڈنٹ جیل بنا دیئے گئے - ان کی قسمت کا ستارہ بہت جلد غروب ہو گیا -

"پچھلے سال کے وسط میں - جب سپرنٹنڈنٹ صاحب کو نئے عہدہ پر فائز ہوئے دو ماہ سے زیادہ نہیں ہوئے تھے ایک قیدی جیل سے بھاگ گیا - نتیجتاً پنڈت جی گرفتار کر لئے گئے - سزا یافتہ قیدی کو اس کی بہادری کا صلہ دینے کے لئے بلا کر ایک عہدہ بخش دیا گیا - وہ ابھی اپنی بدنصیبیوں کی سزا بھگت رہے تھے - کہ پولیس رولز کے ماتحت آپ کے خلاف تازہ الزامات عائد کئے گئے - رشوت جو کسی وقت ملازمت کا اصل جوہر سمجھی جاتی تھی - الٹی عذاب جان بن گئی"- (شاہانہ ہند جنوری ۱۹۲۹ء)

اس سلسلہ میں مانچسٹر گارڈین کے نامہ نگار خصوصی کا بیان جنہوں نے ۱۹۲۲ء میں ہندوستان کا دورہ کیا خاص طور پر قابل ذکر ہے -

شاید آپ یہ خیال کرتے ہوں کہ کم ترقی یافتہ ریاستوں میں اب بھی عجیب و غریب واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں - اصل بات یہ ہے - کہ ترقی یافتہ ریاستوں میں بھی محلِ شاہی

یا اس کا پس پردہ ماحول مفید نہیں ہوتا۔ برطانوی سرکار کے دو یا تین افسروں نے جو ترقی یافتہ ریاستوں میں بہتر خدمات کے عوض اعلیٰ اعزازات حاصل کر چکے تھے۔ مجھے بتایا۔ کہ وہ اپنی اولاد کو ریاستوں میں ملازمت کرنے کی حوصلہ شکنی کریں گے۔ انہوں نے کہا۔ "وہاں جتنی خواہشات ہوں۔ اتنی ہی سازشیں کرنا پڑتی ہیں۔ ایک سیدھے سادے نوجوان کے لئے برطانوی ہند میں نوکری کر لینا بدرجہا بہتر ہے"۔

خطرہ کے قطع نظر تنخواہیں حاصل کرنا بذات خود ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جس کے لئے کافی دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عین ممکن ہے۔ والی ریاست کو روپیہ کی ضرورت ہے (دراصل انہیں ہمیشہ اس کی ضرورت ہوتی ہے۔) فوجداری مصرفات کا کیا کہنا ہے۔ نئی موٹر کار کی ادائیگی، وایسرائے کی دعوت، دہلی میں قیام، ایسی ہزارہا ضروریات ہیں۔ جن کے لئے سرکاری خزانہ کو خالی کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایسی صورت میں ملازمین کو تنخواہوں کے لئے کافی دقت انتظار کرنا پڑتا ہے۔ لیکن والیِ ریاست کو اس بات کی کوئی تشویش نہیں ہوتی۔ اور حق تو یہ ہے کہ ملازم تنخواہیں نہ ملنے کی بنا پر کبھی بھوکوں نہیں مرتے

ہز ہائی نس جانتے ہیں۔ کہ ریاستی عملہ بد دیانت ہے۔ اور یہ کہ ان کی آمدنی کے اور کئی ذرائع موجود ہیں۔ ان کا تنخواہوں پر گزارہ نہیں عملہ جانتا ہے۔ کہ تنخواہیں نہ ملیں۔ تو بھی ریاستی ملازمت کافی نفع رساں ہے۔

ریاست .... میں یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ عدالتی محکمے سب سے زیادہ زرخیز ہیں۔ اگر مجسٹریٹ یا منصف وغیرہ کا نام فہرستِ منتخبہ میں موجود ہو۔ تو وہ نہایت فارغ البالی سے گزر اوقات کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس ایک کاریگر ایسے پیچ کس کو خراب کرنے سے قبل جس پر ریاست کا قبضہ ہو۔ کئی بار اپنے نفع ونقصان پر غور کرے گا۔

اسی ریاست میں۔

۱۸۸۰۱۷۳ کی رقم حضور ہز ہائی نس کے محل پر صرف کی گئی۔ یہ ۲۳-۱۹۲۲ء کے اعداد ہیں ۱۵۰۰۰ روپیہ ۱۹۲۱ء میں وائسرائے کی آمد پر محل کی سجاوٹ پر صرف ہوا۔ ایسے اخراجات ذرائع آمدنی کا لحاظ رکھے بغیر بڑھتے گئے۔ اور سال کے آخر میں نقد روپیہ جو لگان بڑھا کر کسانوں سے نچوڑا گیا تھا۔ ضرورت کے لئے ناکافی ثابت ہوا۔ اتفاقی طور پر نظر دوڑانے

والا ریاست کی مصیبت سے آگاہ نہیں۔ سال کا بیشتر حصہ خزانہ خالی رہتا ہے۔ یہ ایک عام بات ہے کہ ریاستی ملازمین خزانہ کے دروازہ پر منتظر رہتے ہیں۔ کہ کب پہلا ٹکیلا پہنچتا ہے۔ محصول چنگی کا شکریہ کہ وہ تین چار لاکھ روپیہ سالانہ پیدا کر دیتی ہے۔ وہ اپنی خیرات روزانہ خزانہ کو دیتی ہے۔ راقم الحروف بسا اوقات مشاہدہ کر چکا ہے۔ کہ مہینہ کے اختتام پر ایک سرکلر افسران محکمہ جات کو موصول ہوتا ہے۔ جس میں ہدایت کی ہوتی ہے۔ کہ وہ اپنی تنخواہوں کے بل پہلے یا دوسرے ہفتہ کے خاتمہ سے پیشتر یا چند روز بعد تک جیسا کہ ہدایت ہو۔ نہ بھیجیں۔

چند ریاستوں کی استثنا کے بغیر جہاں نام کو پبلک سروس موجود ہے۔ فرائض کی تشخیص میں کسی اصول کی پیروی نہیں کی جاتی۔ چیف جج بننے کے لئے خاص قانونی علم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی محکمہ ریونیو کا افسر اعلیٰ منتخب ہونے کے لئے مالیات میں ماہر ہونے کی ضرورت ہے۔ پولیس خیال رکھتی ہے۔ کہ ریونیو ٹھیک طور پر اور پورا پورا ادا ہو رہا ہے۔ راقم الحروف کے علم میں کئی ایسے واقعات آ چکے ہیں۔ جہاں غیر معمولی

فرائض غیر معمولی افراد کے سپرد کئے گئے۔ پنجاب کی ایک ریاست میں محکمہ حفظانِ صحت کے ایک انسپکٹر ڈائرکٹر آف انڈسٹریز کے عہدہ پر بھی فائز تھے۔ ایک اور ریاست میں محکمہ عدل سے کپاس کے موسم میں ریونیو اکٹھا کرنے کا کام لیا جاتا ہے ایسی مثالیں لاتعداد ہیں۔

محکمہ عدل اور ایگزیکٹو کی تنخواہیں بہت قلیل ہیں۔ برطانوی ہند میں ایک ڈپٹی کمشنر ۸۰۰ سے ۱۲۰۰ کے درمیان ماہوار تنخواہ پاتا ہے۔ ریاست میں اس درجہ کے افسر کو سو روپیہ یا اس سے کم ماہوار تنخواہ ملے گی۔ جب کہ ریاستی حکمران ایک یورپی حکمران کی نسبت ایک سو دو سو گنا زیادہ تنخواہ پاتے ہیں۔ مگر حکومت کے اربابِ حل و عقد کی تنخواہیں کسی درجہ کی نسبت آٹھ دس گنا کم ہیں۔ حسبِ ذیل حقائق اُس آدمی کی زبان سے یہاں دہرائے جاتے ہیں۔ جو ریاستی دنیا سے اچھی طرح واقف ہے۔

پولیس —— معمولی سپاہی آبادی کی غلاظت سے بھرتی کئے جاتے ہیں۔ اس لئے سینکڑوں میں صرف ایک آدھ پڑھنے لکھنے سے واقف ہوتا ہے۔ ناخواندہ ہونے کے علاوہ

وہ اپنے فرائض منصبی کی ترتیب اور علم سے سراسر بے بہرہ اور ناواقف ہوتے ہیں۔ اور تنخواہ ۳ سے دس روپیہ ماہوار ہے۔
کپتان پولیس کی تنخواہ ۳۰ سے ۴۰ کے درمیان ہو گی۔ اس کا نتیجہ۔ رشوت اور اخلاقی تنزل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ تقریباً ۵۰ فیصدی جرائم کی کبھی سراغرسانی نہیں ہوئی۔ مال مسروقہ سے بمشکل ۳۰ فیصدی برآمد ہوتا ہے۔ اور مقدمات قتل میں شاذ و نادر ہی اصل مجرم سزا پاتا ہے۔ بے گناہ انسانوں پر بالکل بناوٹی ثبوت کے ماتحت مقدمات چلائے جاتے ہیں۔ جس کی تصدیق جھوٹے گواہ حلف اٹھا کر کرتے ہیں۔ ناقابل بیان ظلم اور تشدد کے جرم منظر عام پر لائے گئے ہیں۔ مگر بہت کم حالتوں میں پر اثر کاروائی عمل میں لائی جاتی ہے۔ (شاہانہ ہند)

اگر کوئی فرد اس قدر جواں مرد ثابت ہو کہ وہ پولیس کی تمام سختیاں برداشت کر لے۔ تو اسے سزا دلوانے کا آسان طریقہ یہ ہے۔ کہ ایک جھوٹی کہانی تراش لی جاتی ہے۔ اور پھر اس بد نصیب انسان کو مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ مجسٹریٹ بذات خود پولیس سے ہراساں ہوتا ہے۔

اور اس میں کسی بے گناہ کو بری کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔

جہاں تک گواہوں کا تعلق ہے۔ انہیں حاصل کرنا اتنا ہی آسان کام ہے۔ جتنا جھوٹی کہانی گھڑنا۔ کوئی شخص ملزم کے حق میں بات کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ملزم جو بالعموم بے گناہ ہوتا ہے۔ جیل بھیج دیا جاتا ہے۔ یا اس پر بھاری جرمانہ عائد کیا جاتا ہے۔ ہر ایک گاؤں میں ایسی ایک دو مثالوں سے اپنی طاقت کا مظاہرہ کر لینے کے بعد جابر انسان فرمانروا کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ اور غریب دیہاتیوں سے جس قدر ممکن ہو۔ روپیہ نچوڑنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ بُہت حالتوں میں پولیس جرموں کے ایجاد کی خود ذمہ وار ہوتی ہے۔ وہ مشہور بدمعاشوں کی خدمات اجرام کے ارتکاب کے لئے حاصل کر لیتی ہے۔ اور مال غنیمت باہم بانٹ لیا جاتا ہے"۔ شاہانہ ہند صفحہ ۸۲

دیہات میں کسی خوش وضع چہرہ کی عصمت محفوظ نہیں ہوتی۔ تمام فضا ساز باز اور خطرات سے مکدر ہوتی ہے (شاہانہ ہند صفحہ ۸۲) اغوا کنندگاں میں بھاری مقابلہ ہوتا ہے۔ کیونکہ حرم شاہی میں کسی ایسے پھل کی فراہمی پر گراں بہا

معاوضہ ملتا ہے۔ جسے حکمران دل وجان سے پسند فرمائیں۔

ماتحت عملہ محکمہ عدل —— اب ماتحت عدالتوں کو لیجئے۔ ان کی داستان اور بھی اندوہ ناک ہے۔ ان عدالتوں میں چند افسران بلاشبہ سند یافتہ ہوتے ہیں۔ مگر تنخواہ بہت قلیل پاتے ہیں۔ اور چونکہ ان کے افسران اوپری عدالتوں میں اس قدر سست ہیں۔ یہ چھوٹے مینڈک کوئی وجہ نہیں پاتے۔ کہ وہ سست نہ ہوں۔ اپنے عدالتی کام کے علاوہ انہیں بے شمار متفرق فرائض سرانجام دینے پڑتے ہیں۔ مثلاً والیِ ریاست کے رشتہ داروں، احباب واقارب اور ان کے رشتہ داروں اور ماتموں میں شریک ہونا پڑتا ہے۔ والیِ ریاست کے دوروں پر ساتھ جانا پڑتا ہے۔ اور حرم شاہی کی مستورات کے ساتھ سیر وسیاحت میں ساتھ دینا پڑتا ہے۔ (شاہانہ ہند صفحہ ۷۹)

سب جج اور مجسٹریٹ ۱۰۰ سے ۱۵۰ روپیہ ماہوار تک تنخواہ حاصل کرتے ہیں۔ کاٹھیاواڑ ریاستوں کی یہ حالت ہے۔ کہ اگرچہ سب ججوں اور مجسٹریٹوں کو سات سات سال تک سزا دینے کا حق حاصل ہے۔ مگر تنخواہیں کسی کی سو روپیہ

سے زیادہ نہیں۔ چنانچہ یہ قدرتی امر ہے۔ کہ ان حالات کے ماتحت ان سے قابلیت کی امید نہ رکھی جائے۔

ہائی کورٹ۔ تقریباً ہر ریاست میں ہائی کورٹ یا چیف کورٹ موجود ہے۔ جج بعض اوقات دیوان کے دوستوں کے حلقہ سے منتخب ہوتے ہیں۔ بعض اوقات برطانوی ہند کی مجالس وکلاء کے کم سے کم تجربہ کار ممبران سے۔ چند ریاستوں کو چھوڑ کر ہائی کورٹ کے ججوں کی تنخواہیں ۵۰۰ روپیہ ماہوار سے زیادہ نہیں۔ اس لئے ہائی کورٹیں۔ اخلاق۔ ادبیات یا قانونی قابلیت میں زیادہ بلند نہیں۔

ان نام نہاد عدالتہائے انصاف میں رعایا کا کوئی فرد افسرانِ ریاست کے خلاف مواقعہ استغاثہ نہیں گزار سکتا۔ خواہ قانون کی خلاف ورزی سرکاری فرائض کی انجام دہی کے دوران میں ہوئی ہو۔ یا ذاتی زندگی کے دوران میں۔ دیہاتی سکول ماسٹر سے لے کر پولیس کے سپاہی تک جو دو یا تین روپیہ ہفتہ وار کی عظیم الشان رقم تنخواہ پاتا ہو۔ افسران کے زمرہ میں شامل ہیں۔ اور اس لئے قانونی کارروائی سے محفوظ ہیں۔ یہ افراد چوریاں کریں یا قتل والیِ ریاست کی

اجازت کے بغیر ان کے خلاف کوئی کارروائی عمل میں نہیں لائی جاسکتی۔

جہاں حضور والیٔ ریاست محکمہ عدل و انصاف کے آخری سرچشمہ ہیں۔ حالات بالعموم دگرگوں ہیں۔ بہت کم والیانِ ریاست ایسے ہیں جو یورپ کی سیر و تفریح سے باز رہ سکتے ہوں کیونکہ قابلِ فیصلہ اپیلیں بے شمار ہوتی ہیں۔ اس طرح بہت کم ایسے ہیں جو شکار کو معرضِ التواء میں ڈال سکتے ہوں۔ کیونکہ ایک فوری عدالتی فیصلہ دینا ضروری ہے۔ لہٰذا انصاف کا چکر دنیا کے متعدد حصوں میں بڑی سست رفتاری سے گھومتا ہے۔ مگر کہیں اتنا سست نہیں چلتا جتنا ہندوستانی ریاستوں میں کسی مقدمہ کا دس سال کے اندر اندر فیصلہ ہو جانا بہت جلد سمجھنا چاہیئے۔ عام طور پر آخری فیصلہ پر پندرہ یا بیس سال لگ جاتے ہیں۔ اور کئی حالتوں میں فیصلہ ہوتا ہی نہیں۔ مقدمہ کی کارروائی کسی نہ کسی بنا پر کئی بار ملتوی ہوتی رہتی ہے۔ جج صاحب فارغ نہ ہوں۔ والیٔ ریاست کہیں باہر تشریف لے گئے ہوں۔ فائل کھو گئی ہو۔ اہلمد مر گیا ہو۔ وائسرائے صاحب کی آمد ہو۔ مہاراجکمار کے ہاں لڑکا پیدا ہوا

ہو۔ راینیاں لڑپڑی ہوں۔ الغرض ایسے سینکڑوں امکانات التوا کے لئے پیدا ہو سکتے ہیں۔ ایک فوجداری مقدمہ پنجاب کی ایک ریاست میں اب تک التوا میں پڑا ہے۔ جس کا چالان ۱۹۰۴ء میں ہوا تھا۔ ملزم پر جوتے چرانے کا شبہ کیا گیا تھا۔ ملزم دس سال حوالات میں رہنے کے بعد ۱۹۱۴ء میں وفات پا گیا۔ اُسے ایسے جرم میں اتنا عرصہ حوالات میں سڑنا پڑا جس کی زیادہ سے زیادہ سزا ریاستی قانون کے مطابق تین ماہ ہے۔ فائل کا کچھ حصہ آگے پیچھے ہو گیا۔ اب تک اس کی تلاش کی جا رہی ہے۔ عدالت کو کچھ پتہ نہیں کہ مرافعہ گذار اور ملزم دونوں مر چلے ہیں۔ یہ مقدمہ ۱۹۳۰ء میں برائے سماعت پیش ہوا۔ اور مجسٹریٹ صاحب نے لکھا "فائل جس طرح ہو تلاش کی جائے۔ اہلمد کو تنبیہ کر دیا جائے۔ مقدمہ فرد جرم کے لئے ۲ بیساکھ کو پیش ہو۔

ایگزیکٹو — انتظامی افسر اعلیٰ دیوان یا وزیر اعظم ہوتے ہیں۔ کہیں کہیں اس منصب پر قابل ذکر افراد سرفراز ہیں۔ جن کی قابلیت لیاقت اور خدمت مسلمہ ہے۔ لیکن ایسے قابل انسان اکثر اجنبی ہوتے ہیں۔ یعنی وہ خود ریاست کے

باشندے نہیں ہوتے - اس لئے لوگوں کی فلاح وبہبودی میں نہ تو انہیں دلچسپی ہوتی ہے - اور نہ ہی اس کا احساس ہوتا ہے - اس کا سب سے بڑا نصب العین یہ ہوتا ہے - کہ وہ اپنی پوزیشن کو مضبوط بنائیں - وہ اس فرض کو انجام دینے کے لئے والیٔ ریاست کی خوشامد پیشہ بنا لیتے ہیں - بدعنوانیوں کو اوصاف کی جگہ دی جاتی ہے - وہ تمام ذی اثر اور اہم عہدوں پر اپنے قریبی اور رشتہ دار معین کرنا شروع کرتے ہیں - مگر یہ اقدامات بھی وزیر صاحب کے عہدے پر برقرار رہنے کی کوئی خاص ضمانت نہیں ہوتی - محل کی سازباز انہیں اپنے منصب سے محروم کر سکتی ہے - اس سے متعدد افراد کے دلوں میں حسد و بغض کی آگ جلنے لگتی ہے - اور وہ بدرجہ کمال جانتے ہیں - کہ آقا کے لطف و کرم کے کوئی پاؤں نہیں - وہ اسے ہر وقت کسی اور کی حمایت میں برطرف کر سکتا ہے - لہذا یہ پوزیشن ہر طرح پر از خطرات ہے - چنانچہ دیوان صاحب کی تمام تر توجہ اس بات پر مرکوز ہو جاتی ہے - کہ جب تک حالات سازگار ہیں - فائدہ اٹھایا جائے - نتیجہ یہ ہے کہ ایسے حالات میں اسے ان ہتھکنڈوں سے کام لینا پڑتا ہے جنہیں کوئی کمینہ خوشامدی ہی

استعمال کر سکتا ہے۔ وہ والی ریاست کو عیش و عشرت پر گراں بہا روپیہ صرف کرنے کی کھلی چھٹی دے دیتا ہے۔ اور کبھی ہز ہائی نس کو بے لگام بدکاری اور تن پروری کی زندگی بسر کرنے سے منع کرنے کی سعی نہیں کرتا۔

بہت کم دیوان کسی حکمران کی وفات کے بعد اپنے منصب جلیلہ پر برقرار رہ سکتے ہیں۔ نئے حکمران نے اپنے مصاحب کو معاوضہ دینا ہوتا ہے۔ یعنی ان لوگوں کو جنہوں نے دورِ ولی عہدی میں اس کے جذبات اور ترنگوں کے لئے سامان مہیا کئے ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر نئے حکمران کے ساتھ نئے ناظموں (افسران) کا مجمع جمع ہوتا ہے۔ بہت سے دیوان موقع اور وقت سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں تنخواہ ۲۰۰ روپیہ ماہوار ہوگی۔ لیکن پوزیشن کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ کوئی یقین کے ساتھ کچھ کہہ نہیں سکتا۔ کہ حکمران کی خوشنودی کس بات میں مضمر ہوگی ایک دیوان صاحب کو جو جنوبی ریاستوں میں ایک قلمرو کے دیوان تھے۔ محل شاہی میں اپنی لڑکی پیش کرنے کو کہا گیا۔ مگر دیوان صاحب نے انکار کر دیا۔ جس کی بنا پر آپ ہز ہائی نس کی نگاہ عتاب کے شکار ہو گئے۔ سرکار عالی مدار نے محض برطرفی پر اکتفا نہ کیا۔

بلکہ اس سے زیادہ گہرے انتقام کا فیصلہ کیا گیا۔ پولیس کو آپ کے خلاف غبن کا مقدمہ تیار کرنے کی ہدایت کی گئی۔ مگر پولیس کا افسر اعلیٰ آپ کا منظور نظر تھا۔ راز فاش ہو گیا۔۔۔ دیوان صاحب برطانوی ہند کی مہمان پرور سرزمین کی طرف تیز ترین موٹر پر بیٹھ کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ایسے واقعات نادر نہیں۔ دیوان صاحب اور دیگر افسران ریاست کی معیادِ ملازمت کا دارومدار حکمران کی مرضی اور ترنگ پر ہوتا ہے۔ سنٹرل انڈیا ایجنسی کی ریاست میں بیس سال کے عرصہ میں مختلف بیس دیوان مقرر ہوئے۔ چند دیوان سال سے زیادہ عہدہ دیوانی پر قائم نہیں رہ سکتے۔ مگر جب منصب دیوانی پر مامور ہوتے ہیں۔ قارون کے خزانے پیدا کر لیتے ہیں۔ ایک راجپوتانہ ریاست میں ایک وزیر اعظم صاحب خوش قسمتی سے کئی سال تک اپنے عہدہ پر قائم رہے۔ بطور دیوان ۱۵۰ روپیہ ماہوار یا ۱۸۰۰ روپیہ سالانہ تنخواہ پاتے رہے۔ بیس سال میں آپ نے ۳۶۰۰۰ روپے حاصل کئے۔ آپ کو اپنی خدمات کے عوض ایک جاگیر بھی عطا کی گئی جس سے آپ کو ۲۷۰۰۰ روپے حاصل ہوئے۔ اس طرح اکیس سال کی مجموعی آمدنی

۶۰۰۰۰۵ روپیہ تھی - تین لڑکوں اور دو لڑکیوں کی تعلیم اور شادیوں پر روپیہ صرف کرنے کے بعد جن پر ۴۵۰۰۰ ۲۲ روپیہ کے اخراجات کے صرف ہونے کا اعلان کیا گیا - اور اکیس سال تک جاگیر پر صرف ہونے والے روپیہ کے علاوہ منصب دیوانی سے سبکدوش ہونے پر ۲۲ لاکھ روپیہ کا اثاثہ حاصل ہوا -

اگرچہ مذکورہ بالا بنا پر دیوان کے فرائض بہت نازک ہیں مگر اس کا معاوضہ بہت گراں بہا ہوتا ہے - اگر وہ حکمران کے مصاحبوں کی سازباز اور اپنے منصب کی دیگر مشکلات سے عہدہ برا ہو سکے، والیِ ریاست کی عدم موجودگی میں مہارانیاں اسے بلاتی رہیں - پولیٹیکل ایجنٹ کو گاہے بگاہے کسی یورپی افسر کی ضرورت ہو - کسی اخبار کے پاس افشائے راز کی کوئی دستاویز موجود ہو - رقاصہ کو کوئی شکایت ہو - کلکتہ کے بل واجب الادا ہوں - اگر وہ کامیابی سے ان سنگلاخ چٹانوں کا مقابلہ کر سکے - کہ اسے والیِ ریاست کی ہمیشہ نگاہ کرم حاصل رہے - رانیاں مطمئن رہیں، پولیٹیکل ایجنٹ خوش رہے - تو اسے احساس ہوگا کہ وہ دنیا کے بہترین منصب پر فائز ہے - اور اعزازات - خطابات - دولت اور باغِ عدن

کے سبب اس کے پاؤں میں پڑے ہیں۔

بہت کم انگریز ایسے ہیں جو لوگوں کی زبان سیکھنے کی مصیبت میں پڑے ہیں۔ لیکن یورپی خواہ موسمِ سرما میں سیاحت پر آیا ہو۔ یا ہندوستان میں ۳۰ سال سے ملازم ہو۔ اپنے آپ کو اپنے خیال میں زندگی۔ اخلاق واطوار، رسم ورواج اور اس ملک کے لوگوں کے جزبات اور قابلیتوں پر وعظ کرنے کو غیر معمولی طور پر قابل سمجھتا ہے۔ غالباً دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں۔ جس پر ہندوستان کی نسبت دانستہ طور پر زیادہ دروغ بیانیوں کی غلاظت پھینکی گئی ہو۔ رائل انسٹیوٹ کو خطاب کرتے ہوئے سر وائسٹر سکاٹ نے ریاستی پرجا کا ذکر کیا۔ اور فرمایا "میں ہندوستان میں اپنے اکیس سالہ قیام کے دوران میں اس بات کی کوشش کرتا رہا ہوں۔ کہ برطانوی ہند کا ریاستی ہند سے موازنہ کروں۔ اور میری رائے یہ ہے کہ ریاستی ہند میں پرجا برطانوی ہند کی نسبت کہیں زیادہ خوشحال اور آسودہ ہے۔ انہیں ایسی حکومت حاصل ہے۔ جو ان کے زیادہ مناسب اور اپنے خیالات کے مطابق ہے۔ یا مختصر یہ کہ ہندوستانی حکومت ہے۔

میں ایک انگریز ہونے کی حیثیت سے برطانوی ہند میں رہائش کو ترجیح دوں گا۔ لیکن اگر میں ہندوستانی ہوتا۔ تو یقیناً اپنی رہائش کے لئے ریاستی ہند کو منتخب کرتا۔"

ہندوستان اپنے آقا کے بوٹ کی ٹوچپٹا ہے۔ کانگرس سے صلح کی بات کرنا آگ سے کھیلنے کے مترادف ہے۔ مغربی وضع کے تجربات یہاں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ پارلیمنٹری حکومت لازماً اپنے تصوّر میں یورپی ہے۔ اسے مشرقیوں کے رسم و رواج اور آداب و خیالات کی ہوا راس نہیں۔ ریاستی پرجا دیسی حکمرانوں کے ماتحت زیادہ خوش حال ہے۔ اگرچہ یورپی معیارِ قابلیت انہیں حاصل نہیں۔ مگر ان کی مطلق العنانی اور جاہ و جلال ہندوستانی لوگوں کو پسند ہے۔ اس لئے ریٹائرڈ لفٹنٹ گورنر کی نظروں میں اس کی مشکلات کا حل ...... برطانوی ہند کو ریاستی ہند میں تبدیل کر دینا ہے۔

مجھے ہندوستانیوں سے محبت ہے۔ میں ان کی خوبیوں کا مداح ہوں اور ان کے اعلیٰ مستقبل کا معتقد ہوں مگر چونکہ میری یہ رائے ہے۔ کہ نئے تجرِبات یعنی وہ مراعات

اور مستقبل خطرہ میں ہیں۔ (جو مراعات لوگوں کو متحد نہیں کر سکتیں اور جو محض ہماری حکومت کی کمزوری کا سبب ہیں۔ یہ لوگوں کو گورکھ دھندہ میں ڈالتی ہیں۔ اور انہیں برانگیختہ کرتی ہیں۔) اس لئے میں اس کی جگہ ایک نئی تجویز پیش کرتا ہوں۔ جو ہندوستانی عوام الناس کو پسند ہو گی۔ اور برطانوی حکومت کی کمزوری کا باعث نہ ہو گی۔ میں تمام ہندوستان کو ریاستی ہند میں بدلنا چاہتا ہوں۔

بلاشبہ آپ نے ہندوستان میں اپنے ۲۱ سالہ تجربہ کا ذکر کیا ہے۔ مگر ریاستی پرجا برطانوی ہند سے زیادہ خوشحال اور آسودہ نہیں۔ مسٹر نگا آرڑا اپنی مشہور کتاب "وو انڈیا جنگ یا امن" میں رقمطراز ہیں۔ مطلق العنانہ حکومت چاہے حکمران کتنا ہی قابل ہو نہایت بری چیز ہے۔ جب اس کی ہٹی کسی ایسے انسان کے ہاتھوں پلید ہوتی ہے۔ جس کے منہ ایشیائی استبداد کی بدترین بدکاریاں۔ (عورت شراب اور لوگوں کے روپیہ پر فضول عیش و عشرت) لگی ہوتی ہیں۔ تو یہ ایک کھیا تک ہوا بن جاتی ہے۔ اگر ریاستوں میں عام ووٹوں کے ذریعہ پوچھا جائے۔ تو رعایا اس بات پر کبھی رضامندی کا اظہار

کرے گی۔ کہ ریاستی ہند کو برطانوی ہند سے ملحق کر دیا جائے۔ ریاستیں ہندوستان میں زندہ و سلامت ہیں۔ اس لئے کہ برطانوی حکومت انہیں سلامت دیکھنا چاہتی ہے۔

اگر برطانوی ہند میں ریاستی ہند سے ہزار درجہ کم بد دیانتی۔ رشوت۔ جبر و تشدد۔ خود مختار مطلق العنانی موجود ہوتی۔ تو برطانوی راج ایک عرصہ سے ختم ہو چکا ہوتا"

اس سلسلہ میں مسٹر چنتا منی نے حسب ذیل حقائق بیان کئے ہیں۔ آپ نے یہ اقتباس سر ایس بینر جی کی تقریر سے لیا ہے۔ جو آپ نے ہندوستانی پرچا کانفرنس کے سامنے سنہ ۱۹۲۵ء کو کی۔

"ایک اور ریاست کو لیجئے۔ اس کے ایک ریٹائرڈ وزیر محکمہ سیاسی و محکمہ خارجہ نے جو اس سے پیشتر دو اور ریاستوں کے وزیر اعظم بھی رہ چکے ہیں نمائندہ پریس کو ایسے حالات سے آگاہ کیا جو اس کے خوش بخت اور ہمایوں فال حکمران کو دولت اطمینان سے مالا مال نہیں کر سکتے۔ آبادی کی بھاری اکثریت سراسر ناخواندہ ہے۔ یہ انتہائی طور پر غریب ہے۔ اور اسے بے زبان ڈھوروں کی طرح ڈنڈے سے ہانکا جاتا

ہے۔ حکومت اور رعایا میں کوئی رشتہ موجود نہیں۔ انہیں اپنی شکایات کی ترجمانی کا کوئی ذریعہ حاصل نہیں۔ آلۂ حکومت کو سر سے پاؤں تک درست کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک لحاظ سے روشن دماغ طبقہ بھی مظلوم طبقہ ہے۔ پبلک رائے مفقود ہے۔ یہاں تک کہ موجودہ حالات میں لوگ گزران سے محروم ہیں۔ ریاست میں کوئی شریف انسان نہیں۔ میں مسٹر آبیانکار کا حوالہ نہیں دے رہا۔ یہ وہ تعریفی کلمات ہیں۔ جو برسرِ عام ایک ایسی ریاست کی حکومت کی شان میں کہے گئے۔ جس کے صاحب ممدوح مسٹر الین بنرجی کے ساتھ "رکن تھے"۔

حالات کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنے سے۔ ہمیں پتہ چلتا ہے۔ کہ ریاستیں دو قسم کی ہیں۔ سلامی ریاستیں اور غیر سلامی۔ سرکاری طور پر اس تقسیم کا قسم اول و قسم دوم کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس تقسیم کا اس سے زیادہ اور کچھ مطلب نہیں۔ کہ قسم اول کو توپوں کی سلامی دینے کا حق حاصل ہے۔ مگر قسم دوئم اس حق سے محروم ہے۔ توپوں کی تعداد ہر ریاست کی اہمیت کے مطابق مختلف ہے۔ نظام حیدرآباد کو ۱۹ توپوں کی سلامی ملتی ہے۔ جبکہ بھگوان پالے کے

حکمران کو صرف ۹ کی۔ سلامی ریاستوں کو بالعموم اندرونی نظم و نسق پر اختیار حاصل ہے۔ اپنے قوانین خود بناتی ہیں۔ اور رعایا کی زندگی اور موت ان کے ہاتھ میں ہے۔ ان کی عدالتیں برطانوی ہند کی کسی عدالت کے ماتحت نہیں۔ نظری طور پر حضور وایسرائے کے پاس عرضداشت بھیجنے کا حق دے دیا گیا ہے۔ مگر عملی دنیا میں اس کی حیثیت غیر نافذ قانون سے زیادہ نہیں۔ ان ریاستوں کے عدالتی اختیارات پر صرف اتنی پابندی ہے۔ کہ انہیں یورپی باشندوں کے مقدمات قتل کی سماعت کا حق حاصل نہیں (ہندوستانی مہاراجے برطانوی پناہ میں)

غیر سلامی ریاستیں چند حالات میں حکومت ہند کی مرضی کے بغیر قانون مرتب نہیں کر سکتیں۔ ان کے عدالتی اختیارات معمولی مقدمات کی سماعت تک محدود ہیں۔ خطرناک جرموں میں مقدمات کی سماعت پولیٹیکل ایجنٹ یا ریجنٹ صاحب خود کرتے ہیں۔ اندرونی نظم و نسق کے معاملہ میں یہ ریاستیں زیادہ تر بیرونی اختیارات کے ماتحت ہیں۔ اس زمرہ میں چند ریاستیں آتی ہیں۔ جن کے انتظامی۔ عدالتی اور لیجسلیٹو اختیارات ریاستوں پر معین پولیٹیکل ایجنٹ ریذیڈنٹ اور حکمران کے

درمیان منقسم ہوتے ہیں۔

ہم پیشتر ازیں مشاہدہ کر چکے ہیں۔ کہ ان ریاستوں میں ٹیکس انتظامی ضروریات کے مطابق نہیں لگائے جاتے ٹیکس لگانے وقت صرف دو اصول زیر نظر رکھے جاتے ہیں۔ یہ کہ حکمران کو کتنی ضرورت ہے۔ اور لوگ کیا ادا کر سکتے ہیں؟ موخر الذکر نکتہ کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔ ٹیکس "بادشاہت" کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ جمیعت الاقوام نے اس کی تائید کی ہے۔

مالیہ اراضی پر ۲۲-۱۹۲۱ء کی رپورٹ میں حسب ذیل پیراگراف مذکور ہے۔ ریاست کی دس تحصیلوں میں تازہ زمین جو کھتی قرار دی گئی ہے۔ محاصل اراضی میں اس کے نتیجہ کے طور پر ۷۶،۴،۲،۳۲ و ۳ روپیہ کا اضافہ ہو گیا ہے۔ اور سالانہ آمدنی ۲ ۳۵ و ۸۶ د ۲۵ تک جا پہنچی ہے۔ نئے بندوبست کے نتیجہ کے طور پر سالانہ آمدنی میں صرف خالصہ اراضی پر سے ۸ ۹ ۲، ۵۰ کا اضافہ ہوا ہے۔ لیکن پانچ لاکھ کا اضافہ ان خراجات کا کفیل نہیں ہو سکتا جو گھوڑ دوڑ پر صرف کئے جاتے ہیں۔ غریب رعایا پر نئے نئے ٹیکسوں سے بہت جلد اچھے نتائج پیدا ہوئے۔ یہی وجہ

گاڑیوں اور چند خاص سڑکوں پر پیدل چلنے والوں پر لگائے گئے۔ محصول نے اضافہ کا اچھا خاصہ موقع پیدا کر دیا نومبر ۱۹۲۲ء میں ایک غیر معمولی گزٹ شائع کیا گیا۔ جس میں اعلان ہوا وہ محصول وادی کا مقصد اس سڑک پر آمد و رفت کی حوصلہ شکنی ہے۔ جو صرف شکار کی غرض سے تعمیر کی گئی ہے۔ ...... حضور مہاراجہ صاحب نے شرح محصول تبدیل کر دی ہے۔ لوگوں نے اس سڑک سے اپنی تجارت اور کاروبار کے لئے اس سے ناواجب فائدہ اٹھایا ہے۔ جس کے لئے یہ تعمیر نہ ہوئی تھی چنانچہ نہ تو یہ حقیقت نظر انداز کی جا سکتی ہے۔ اور نہ ہی اسے لوگوں کے ایسے ناجائز استعمال سے روکا جا سکتا ہے"۔ آگے چل کر شرح ٹیکس بتائی گئی ہے۔ بیل گاڑیوں اور اونٹوں پر ٹیکس ۵ روپیہ سے دس روپیہ کر دیا گیا۔ گھوڑوں اور خچروں پر ایک سے پانچ روپیہ اور پیدل چلنے والوں پر ۵۔ یعنی شرح ٹیکس دوگنا۔ پانچ گنا بڑھا دی گئی تھی۔

چند ٹیکس رقم میں ادا کئے جاتے ہیں۔ جن میں سالانہ آمدنی کی سب سے بڑی مد مالیہ اراضی ہے۔ اور ٹیکس بھی ہیں محصول برآمد و درآمد پیشہ وار ٹیکس، اور جانوروں پر ٹیکس

چند ریاستوں میں ماتم اور پیدائش بھی آمدنی کے ذرایع ہیں ان ریاستوں کے حکمران رعایا کی شادیوں بیاہوں میں ان کے ساتھ خوشی کا پورا پورا حصہ بٹاتے ہیں۔ ریاست میں ہر شادی و بیاہ خزانہ شاہی میں اضافہ کا سبب بنتا ہے

کاشت کاروں کی آمدنی میں ریاست کا حصہ شاذونادر ہی نصف سے کم ہوتا ہے۔ اور باقی نصف سے کاشتکار آئندہ فصل کے لئے بیج بال بچوں کے لئے کپڑے اور سال بھر کی خوراک حاصل کرتا ہے۔ اور حاکم شاہی خزانے دار کی مٹھی گرم کرتا ہے۔ اس کی نصف آمدنی مجلس مہاراجگان۔ محلات کی تعمیر۔ موٹر کاروں کی خرید۔ نذکاروں۔ پولیٹیکل ایجنٹ۔ اٹلی میں سیر و سیاحت۔ اور لنڈن میں ضیافتوں اور ہسپانیہ میں دوشیزاؤں پر وقف کر دی جاتی ہے۔

پولیٹیکل و محکمہ خارجہ کے ایک دوست رقمطراز ہیں "مشکل کوئی دن ایسا ہوگا۔ جب ہمیں ریاست کی بد انتظامی۔ رعایا کی لوٹ اور حکمران کی بد اخلاقی کے متعلق عرضداشت نہ ملتی ہو۔ ہم مزید تفصیلات کے لئے عرضداشت آگے بھیج دیتے ہیں۔ اور بس" ان عرضداشتوں میں خاص دلچسپی کی

مالک وہ عرضی ہے۔ جو حضور وائسرائے کی خدمت میں ایک ریاست کے دورہ کے دوران میں پیش کی گئی۔

(۱) ایک گاؤں میں جس کی آبادی ۱۵۰۰ افراد پر مشتمل ہے ریاست کے ۹۰ کسان مزارعوں کو ۱۴ سال کے دوران میں زمین کی قیمت سے کئی گنا زیادہ مالیہ ادا کرنا پڑا۔ ریاست کے افسروں کی خدمت میں کئی عرضداشتیں بھیجی گئیں۔ مگر کاشتکاروں کی کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اس شکایت کے باوجود افسران مال نے مالیہ اراضی میں ۱/۲ ۳۷ فیصدی کا اضافہ کر دیا ہے۔

(۲) تمام ریاست میں کسانوں کے اس بوجھ میں ہر قطعہ اراضی پر ۲۵ فیصدی مزید ٹیکس لگا کر اور بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔ یہ غیر معمولی ٹیکس ہے۔ کیونکہ ہندوستان کی کسی ریاست میں آج تک کوئی ایسا ٹیکس نافذ نہیں ہوا۔ کسان حیران ہیں کہ کس جرم کی سرزنش میں انہیں اس ٹیکس کی سزا دی گئی ہے۔

(۳) کوئی زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ مندر ٹیکس تمام لوگوں سے حاصل کیا گیا تھا۔ اور دس سال ہوئے دیوانس میں ایک منڈی ٹیکس لگایا گیا۔ نیز کسانوں کو اپنی پیداوار اس منڈی میں فروخت کرنے کا حکم ملا۔ منڈی میں جو جنس

برائے فروخت لے لی جاتی اس کی اصل قدر کا چوتھا حصہ منڈی کی بھینٹ چڑھ جاتا۔ اس کے علاوہ منڈی قائم کرتے وقت حکامِ ریاست نے برآمد محصول اس قدر زیادہ بڑھا دئے۔ کہ وہ اپنی گندم یا کوئی اور جنس ہمسایہ ریاست میں فروخت کے لئے لے جائیں تو ان کے پلے کچھ نہ پڑھ سکے۔

(۴) ۱۹۲۱ء میں ہز ہائی نس اور آپ کی حکومت کے ارکان نے ایک قانون نافذ کیا۔ جس کی رو سے ہر کاشتکار کو اپنے زیرِ کاشت اراضی پر حقِ ملکیت تفویض کرنے کا حق حاصل ہوُا۔ یہ قانون ایسے ڈھنگ سے بنایا گیا تھا۔ کہ اگر کوئی مزارع چاہے۔ تو وہ زمین کے حقوقِ ملکیت یا تو ایک مقررہ رقم ادا کرکے فوراً حاصل کرسکتا ہے یا اسے یہ رقم ادا کرنے کے لئے ۳ سال سے دس سال تک ایک بھاری ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔ اگر کسی وجہ سے مضارع محولہ بالا ٹیکس ادا نہ کرسکے تو اُسے حقوقِ مضارعہ سے محروم کردیا جاتا اور اس کی اراضی بحقِ سرکار ضبط کرلی جاتی۔ باوجود اس کے کہ دس سال کے اختتام میں کئی سال باقی ہوتے۔ مگر کئی کسانوں کو اس لئے تشدد کا شکار بنایا گیا۔ کہ ان میں نذرانہ چڑھانے کی طاقت

نہ تھی۔ اور جنہیں نہ تو تشدد برداشت کرنے کی تاب تھی۔ اور نہ ہی زمین چھوڑنا منظور تھا۔ جس پر نسل در نسل سے وہ کام کر رہے تھے۔ انہیں بھی تباہ کن بھاری نرخوں اور سود در سود پر قرضہ اٹھانا پڑا۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے نہایت بری طرح مقروض ہو گئے۔

(۵) علاوہ ازیں ۱۹۲۶ء میں بیاہ ٹیکس کی فراہمی کا حکم دیا گیا۔ جس کی رو سے تمام کاشتکاروں سے پہلے تو ۱۰۰ فی صدی اور پھر ۸۷ فیصدی کی شرح پر ٹیکس وصول کیا گیا۔ کوئی افسر مال کو ٹیکس مذکورہ ادا نہ کر سکا۔ تو اسے منڈی میں کاشتکار کی جنس سے کاٹ لیا گیا۔

(۶) مرافعہ گزاران حضور کی خدمت میں نہایت عاجزی سے عرض کرتے ہیں۔ کہ ہم ہز اکسیلنسی کی کاشتکاری میں دلچسپی سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اس لئے حضور اکسیلنسی کی خدمت میں یہ مرافعہ گذارا گیا ہے۔ کہ ان کی مشکلات پر نگاہِ کرم ڈال کر انہیں تو تشویشوں مصائب اور دکھ بھری زندگی سے جس کا ایک طویل عرصہ سے وہ شکار ہو رہے ہیں نجات دلائی جائے (شاہانہ ہند)

ان بے شمار ٹیکسوں سے والیِ ریاست کو ۲۰ ۳ لاکھ روپیہ کی رقم حاصل ہوئی ۔ اس بات پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی۔ کہ کن خاص وجوہات کی بنا پر یہ ٹیکس عائد کئے گئے تھے۔ مجلس مہاراجگان اس کا جواب نہیں دے سکتی ـــ یہ اس کے حدِ اختیار سے باہر ہے ـــ برطانوی پارلیمنٹ اپنے ہندوستانی نمائندوں کے معاملات میں مداخلت کرنا پسند نہیں کرتی۔ ہندوستانی نمائندے اپنی پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ گورنر اور گورنر کے ایجنٹ صاحبان کو سرگردانی کی ضرورت نہیں۔ کاشتکار حکمران کے شاہانہ احکام کی مزاحمت کی جرأت نہیں کر سکتے۔ وہ ٹیکس ادا کرتا رہتا ہے ۔ اور اگر نہ کر سکے" اس کی مرمت ہوتی ہے۔ یا اس کی اراضی ضبط کر لی جاتی ہے۔ اور وہ اور اس کا خاندان فاقوں مرتے ہیں"۔ دوسری ریاستوں میں حالات اس سے مختلف نہیں۔

"ریاست کی موجودہ حالت زار کی جھلک دکھانے کے لئے میں ایک دو مثالیں پیش کر رہا ہوں ۔ ایک بھیل چوری کے الزام میں گرفتار کیا گیا ۔ مقامی عدالت میں اس نے

تسلیم کیا کہ اس نے بیل چرایا ہے۔ اور عرض کی کہ متواتر دو
تین روز کی فاقہ کشی سے تنگ آکر اس نے۔ اس کی بیوی
اور بچوں نے بیل کھالیا ہے۔ ایک بوڑھی عورت ایک روز
غلہ کے ڈھیر سے گندم کے چند دانے چراتی پکڑی گئی۔ ایک
نوجوان اچھوت عورت اور اس کے تین چھوٹے چھوٹے بچے
تین روز روٹی سے محروم رہے۔ اور اندھے باپ کے پاس
پہننے کو لنگوٹا تک موجود نہ تھا

ان خاص واقعات کے علاوہ عام جرم روبہ ترقی
ہیں۔ ہر روز مسافروں پر ڈاکے اور غلّے کی بوریاں چُرانے کی
وارداتیں سننے میں آتی ہیں۔ بیشتر خوراک ادھار اٹھا کر
گزارہ کرتے ہیں۔ کئی بھوکوں مر رہے ہیں۔ اور باقی کھڑی
فصلیں فروخت کر رہے ہیں "

جس ریاست کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہاں حکمران
کے موٹر خانہ کا خرچ ۲۴۵۰۰۰ روپیہ سالانہ ہے۔

میسور ایک ترقی پسند اور جدید ریاست ہے
جو آئینی ترقی میں بھی برطانوی ہند کے شانہ بشانہ چلنے کی
کوشش کرتی ہے بمشکل نصف درجن ریاستیں ایسی ہونگی

جو میسور کے قائم کردہ معیار تک پہنچ سکتی ہوں۔ مگر حالات یہاں بھی خوشگوار نہیں۔ آزادی پریس موجود نہیں اور انجمن سازی اور تقریر کی آزادی نہیں۔ اور جلاوطنیاں اور ضبطگیاں ہر ایک پر قانونی تحقیقات کے کسی شائبہ کے بغیر ٹھونسی جا سکتی ہیں۔ ریاست کے حالات عمومی پر مسٹر ہوسا گوپا کرشنا نے جو کہ میسور اسمبلی کے نمائندہ ہیں۔ اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

"ٹیکسوں کا بوجھ زیادہ ہے۔ بندوبست اراضی آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس کے لئے کوئی مستقل اصول مقرر نہیں۔ محصول چنگی حیرت انگیز رفتار سے بڑھ رہا ہے... ...رعیت (کاشتکاروں کی حالت ناگفتہ بہ ہے زراعت اور اراضی میں نام کی ترقی موجود نہیں۔ کھلے کھیتوں میں کام کرنے والے کاشتکاروں کی پیشانی پر حسرت و یاس نمایاں ہے۔ محنت کا وجود ابھی کسی نے محسوس نہیں کیا۔

ریاست سے اماں کی التجائیں نظر انداز کر دی جاتی ہیں ریاستی حکومت بڑے بڑے افسران سے بھرپور ہے۔ افسران بڑی بڑی تنخواہیں حاصل کرتے ہیں۔ مگر کام تنخواہوں کے

مقابلہ میں ناکام ہوتا ہے۔ ان کی تنخواہیں فاقہ مست کسانوں کا خون نچوڑ کر ادا کی جاتی ہیں"۔.......... ماتحت عملہ کی تنخواہیں نہایت قلیل ہیں اور اکثریت اتنی تنخواہ سے محروم ہے۔ جس سے گزران ہو سکے۔ نتیجتاً رشوت۔ بداطمینانی اور ناقابلیت بڑھ رہی ہے......"

تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نصف درجن ریاستوں میں حالات برطانوی ہند کی طرح ناقابل برداشت ہیں۔

راجپوتانہ ریاستوں کی جو تصویر مشہور رسالہ "ماڈرن ریویو" نے کھینچی ہے۔ اس کی ایک جھلک یہاں دکھانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ حکمران اور اس کی ایگزیکٹو کی مرضی قانون ہے۔ حضور مہاراجہ یا آپ کے سیکرٹری کے دستخطوں سے جاری کردہ سرکلر یا حکم کسی فعل کو جرم قرار دے دیتا ہے۔ اس جرم کی سزا معین کرتا ہے۔ اور ہر شخص کو جسے وہ چاہیں اس اختیار کو استعمال کرنے کا حق تفویض کرتا ہے۔ کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کہ وہ افراد قانون یا عدل و انصاف سے واقف ہیں یا نہیں۔ ایگزیکٹو احکام جاری کئے جاتے ہیں۔ جن کے ذریعہ چند اختیارات دیوانی اور

فوجداری عدالتوں سے چھین کر ایگزیکٹو آفیسر کے سپرد کر دئے جاتے ہیں۔

راجپوتانہ ریاستوں میں کوئی ایسا قانون موجود نہیں جس کی رو سے لوگوں کو آزادی پریس۔ آزادیٔ تقریر یا انجمن سازی کی آزادی اور جان و مال کی حفاظت کا یقین دلایا گیا ہو...... سیاسی نوعیت کے پبلک جلسے اور سیاسیات میں دلچسپی رکھنے والے اخبارات سراسر نا معلوم ہیں۔ بلا روک ٹوک نظر بندیاں۔ جلاوطنیاں۔ اخبارات پر پابندیاں اور جائدادوں کی ضبطگیاں آئے روز کے معمولی واقعات ہیں۔ بیشتر ریاستوں میں انسانیت کے ان ابتدائی حقوق پر نہایت شدید پابندیاں موجود ہیں۔ مگر انفرادی آزادی کا گلا گھونٹنے کی نسبت سب سے زیادہ مہیب وہ ماحول ہے جو عام خوف اور حکام کے بلا واسطہ دباؤ نے پیدا کر رکھا ہے"۔

"لوکل سلف گورنمنٹ کا نام و نشان تک موجود نہیں۔ بلدیات دارلریاست میں موجود ہیں۔ مگر وہ تمام کے تمام نامزد ممبران سے پر ہیں...... راجپوتانہ کی کسی ریاست میں کوئی لوکل بورڈ موجود نہیں۔ کوٹہ اور بیکانیر کے سوا پنچائتیں

مفقود ہیں ......"

غلامی ابھی تک رائج ہے۔ غلاموں کی تعداد کا اندازہ ۱۶۱۷۱۳۵ لگایا گیا ہے۔ غلام ہر ایک راجپوت والی ریاست ہر جاگیردار یا زمیندار کے محل میں دکھائی دیتے ہیں۔ انہیں کھلے بندوں تحفتہً یا جہیز میں دے دیا جاتا ہے۔ اور در پردہ فروخت بھی کر دیا جاتا ہے"۔ آقا کو ان کے جسموں اور عصمت پر پورا اختیار حاصل ہے۔ اور سہولیت کے مطابق ان کی شادیوں اور طلاقوں کے انتظامات کئے جاتے ہیں۔ انفرادی تشدد اور ان کی عصمت پر حملے ان بد نصیبوں کی غیر معمولی قسمت ہیں"۔

بیگار کا رواج ابھی تک کئی ریاستوں میں بدستور موجود ہے۔ پسماندہ طبقات جو آبادی کا تقریباً ۸۰ فیصدی ہیں۔ اس جبری بیگار سے چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ البتہ اس کے علاوہ انہیں معمولی سی اجرت ضرور مل جاتی ہے"۔ مگر اجرت نظری طور پر نا کافی ہے۔ اور عملی طور پر ادا نہیں کی جاتی۔ بیگار وائسرائے کے دورہ پر شدید ترین شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور بیگاریوں کو اس عرصہ میں انتہائی مصائب کا سامنا کرنا

پڑتا ہے"۔

دس لاکھ سے زیادہ افراد جن میں گوجر بھی شامل ہیں۔ پیدا ہونے کے دن سے موت تک مجرموں کی طرح تباہ ہو جاتے ہیں۔

"راجپوتانہ کے کارخانوں میں مزدور بہت کم ہیں۔ اور جو موجود ہیں ان کی حالت نہایت ناگفتہ بہ ہے۔ ۴۴ کارخانوں میں صرف ۱۹۱۷۵ مزدور نوکر ہیں۔ جن میں ۸۹۵ عورتیں بھی شامل ہیں۔ اور ۱۰۲۱ چودہ سال سے کم عمر بچے ہیں۔ اوقات کار ۱۲ سے ۱۵ گھنٹوں تک ہیں۔ کوئی قانون کارخانہ موجود نہیں۔ تعلیم کا کوئی انتظام نہیں۔ بوڑھوں کو پنشن نہیں ملتی اور مزدور کو معاوضے یا دوران زچگی میں تنخواہ دینے کا رواج نہیں۔

آبادی میں ۸۷ فی صدی کا گزارہ زراعت پر ہے۔ مگر زمین کی غیر زرخیزی اور کھیتی باڑی کی عام سہولتیں حاصل نہ ہونے کی بنا پر کسان قحط اور قلت کے دائمی مرض میں مبتلا ہے۔ بیرحمانہ حالات میں اضافہ کے لئے محاصلِ اراضی اور بھی زیادہ ہیں .... بہت کم ریاستیں ایسی ہیں جہاں

مالیہ کا کوئی اصول موجود ہو - بند و بست کئے جاتے ہیں اور مالیہ حکمران کی مرضی سے بڑھا دیا جاتا ہے - کچھ محاصل ضمنی طور پر لگائے جاتے ہیں - جو بعض اوقات لوٹ کھسوٹ کے دلچسپ اور نمایاں ہتھکنڈوں کا مظاہرہ کرتے ہیں - مثلاً ریاست جودھپور میں ایسے محاصل کی تعداد سو تک پہنچ چکی ہے - کوٹہ اور بیکانیر کی استثنا کے بغیر کسی ریاست نے انجمن ہائے امداد باہمی یا زرعی بنک قائم نہیں کئے - نتیجہ یہ ہے کہ کسان بری طرح ساہو کاروں کے مقروض ہیں - دائمی غربت جہالت - بیماریوں حفظانِ صحت اور ڈاکٹری امداد کے فقدان کے لئے ان کی طاقت انتہائی طور پر کم کر دی ہے ...... "

تعلیمی اعتبار سے راجپوتانہ کی ریاستیں پسماندہ ہیں - بحیثیت مجموعی تعلیم تین فیصدی سے قدرے زیادہ ہے - مگر عورتوں میں ۲ فیصدی سے بھی کم ہے - ابتدائی تعلیم دینے کا اہتمام ناتسلی بخش ہے - الور میں ۱-۷ افراد یا ۳۱ مربع میل یا ۱۷ دیہات - جودھپور میں ۱۲۱۱۶ افراد یا ۲۳۰ مربع میل یا ۲۷ دیہات - اور بیکانیر میں ۱۳۰۷ افراد ۳۶۴ مربع میل یا ۳۲ دیہات کیلئے کوئی سکول موجود نہیں -

تعلیم پر اور محل شاہی پر کل آمدنی سے خرچ کی نسبت نہایت شاندار ہے۔

	محل شاہی پر اخراجات	تعلیم پر اخراجات
بیکانیر	۱۱ فیصدی	۱۰۵ فیصدی
جودھ پور	۱۶ " "	۳ " "
الور	۵۰ " "	۱ " "

دیہات کے دیگر حالات اس سے بھی زیادہ خراب ہیں۔ سڑکیں مفقود ہیں۔ حفظان صحت کا نام نہیں۔ راجپوتانہ ریاست کے دیہات میں روشنی کا کوئی انتظام نہیں۔ ڈاکٹری امداد نہ ملنے کی بنا پر ہزاروں لوگ لقمۂ اجل ہو جاتے ہیں۔ ریاست جودھ پور۔ الور اور بیکانیر میں ڈاکٹری امداد کے مصارف کل آمدنی کا بتدریج ۲۰۲۵ فیصدی، ۳ فیصدی اور ۴۰۱ فیصدی ہیں۔ شادی شدہ عورتوں کی تعداد میں ۱۸ فی صدی سے زیادہ بیوہ ہیں۔ حکمران طبقات میں کثرت ازدواج عام ہے۔ اور بمشکل کوئی مہاراجہ یا جاگیردار ایک بیوی پر اکتفا کرتا ہوگا۔ مرحوم مہاراجہ جودھ پور کے محل میں ۳۰۰ سے زیادہ عورتیں موجود تھیں"۔

دوسری ریاستوں کی حالت راجپوتانہ ریاستوں سے اچھی نہیں - جہاں آبادی کا ۸۷ فیصدی دیہات میں آباد ہے ان کا دارو مدار کلیتاً زمین کی پیداوار پر ہے - جس میں بارش کی کمی بیشی سے نشیب و فراز آتے رہتے ہیں - لوگ ذرعی جہالت و غربت کے قعرِ مذلت میں گرے پڑے ہیں - ریاستوں کے حکمران اس طبقہ کے مصائب کی طرف بالکل دھیان نہیں دیتے - جو سالانہ آمدنی میں سب سے زیادہ حصہ ادا کرتا ہے - جس پر مہاراجے گلچھرے اڑاتے ہیں - (سٹیٹس پیپلز کانفرنس ۱۹۲۸ء)

۱۹۲۶ء میں جمیعت اقوام کے "دفتر بین الاقوامی لیبر" نے ایک تحقیقات عمل میں لائی - ہندوستانی ریاستوں میں رائج بیگار کی نوعیت یوں بیان کی گئی ہے -

"۱۹۲۱ء کی رپورٹ مردم شماری کے مطابق صرف وسط ہندوستان اور راجپوتانہ ریاستوں میں ۱۹۰۷۵۵ غلام تھے جن میں ۱۰۸۸۶ بیکانیر اور ۸۱۰۰ جودھپور کے گھریلو غلام شامل ہیں - وہ کئی ناموں سے مشہور ہیں - مثلاً

داروگاس - حضوری - راؤنیا - راجپوت - چیلہ اور گلاس ان کے آقا ہندو اور مسلمان والیان ریاست ہیں - وہ تمام عمر کے لئے اپنے مالکوں کے غلام ہوتے ہیں - سوائے معمولی ضروریات زندگی کے انہیں کسی چیز پر ملکیت کا حق حاصل نہیں - ان کے آقا ان کی بیویوں اور لڑکیوں کو فروخت کرنے کا حق استعمال کرتے ہیں - اور کافی حد تک ان کی شادیوں اور طلاقوں پر کار اختیار رکھتے ہیں - اگر وہ کسی اور ریاست میں بھاگ نکلیں تو قانوناً واپس لوٹائے جانے کے ذمہ وار ہیں -

جودھپور میں اگر دورگاس اپنے مالک کی ضروریات اور پوزیشن کے مطابق فرائض سرانجام نہ دے سکیں - تو مالک قانوناً انہیں مذکورہ کام کرنے پر مجبور کر سکتا ہے -

راجپوتوں کے گھر میں جن دورگاسوں نے جنم لیا ہے - اور جنہیں انہوں نے پالا پوسا ہے وہ ان دورگاسوں کی لڑکیوں کو اپنی لڑکیوں کے جہیز میں دینے کے حق دار ہیں - کوٹہ ریاست میں زرعی مزدور - چرواہے - غلہ بان اور مزارع کسی ریاست میں ہجرت کرنے کے مجاز نہیں - جب تک اپنے مالکان کو رضامند

نہ کر لیں۔ علاوہ ازیں انہیں ریاست میں کسی سرکاری ملازمت کی اجازت نہیں۔

"ریٹھ اور بیگار کا رواج تقریباً ہندوستان کی تمام ریاستوں میں موجود ہے۔ اور مزدوروں کاریگروں کے تمام طبقات اپنے حکمرانوں اور افسران کے لئے اتنے معاوضہ پر کام کرنے کو مجبور کئے جاتے ہیں۔ جو عمل میں ان کی معمولی خوراک کے زیادہ نہیں ہوتا۔ انہیں ہر وقت اور جتنے وقت کے لئے ریاست چاہے۔ کام کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ وہ اپنے گھروں سے دور دراز ایسے دیہات جنگلات اور پہاڑیوں میں کام کے لئے سفر کرتے ہیں۔ جہاں مہاراجے اور ان کے مہمان شکار پر یا افسران دورہ پر جاتے ہیں۔

ریاست بندی کے آئین وضوابط کے کئی طبقے مثلاً۔ حجام۔ تیلی۔ سپاری فروش۔ قصاب۔ کسان اور بھیل مفت کام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ یا انہیں ایندھن ڈھولوں کے لئے کھالیں۔ اور خشک اوپلے مفت فراہم کرنا پڑتے ہیں۔ ریاستی مقاصد پر حاصل کئے گئے کام کے

عوض میں کھانا کھلایا جاتا ہے۔ اور ریاستی ملازموں کے کام پر اجرتیں ملتی ہیں۔ مگر یہ مزدوری ان ملازمین کو لازماً ادا کرنی پڑتی ہے۔ جو موروثی طور پر یہ کام کرنے پر مجبور ہیں۔ اگر ان طبقات کے ممبر انکار کر دیں۔ تو انہیں مناسب سزائیں دی جاتی ہیں۔"

(ٹائمز آف انڈیا ایئر بک ۱۹۳۰ء)

ایک وقت آتا ہے کہ فرومایہ چیونٹی بھی کاٹتی ہے۔ اسے پاؤں تلے مل دیا جائے۔ اسے صفحہ ہستی سے نابود کر دیا جائے۔ مگر وہ اپنا احتجاج کر کے رہتی ہے۔ خواہ یہ احتجاج کتنا ہی غیر موزوں کیوں نہ ہو۔ ایک وقت تک لوگ مصائب جھیلتے ہیں۔ مگر حالات ناقابلِ برداشت ہو جائیں۔ تو لوگ بغاوت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ مگر کشمکش کی عمر دراز نہیں ہوتی۔ فوج ہتھیار سنبھالتی ہے۔ چند ایک سر کردہ باغی گرفتار کر لئے جاتے ہیں۔ انہیں عمر بھر چکی پیسنے کو قید کر دیا جاتا ہے۔ ان کی جائدادیں ضبط کر لی جاتی ہیں۔ اور ان کی عورتوں سے

زنا بالجبر کیا جاتا ہے۔ پھر امن قائم ہو جاتا ہے۔ ایک راجپوتانہ ریاست میں بغاوت کے الزام میں ایک ہمعصر شہادت کے مطابق "رسوا کن قتل عام میں ۱۲۳ معصوم اور بیگناہ عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اور تمام گاؤں کا نام و نشان تک صفحہ ہستی سے نابود کر دیا گیا"۔ (شاہانہ ہند)

اس بغاوت کا سبب زرعی تھا۔ اور اسی طرح کئی بغاوتیں اٹھیں۔ مگر حکمران کی پوزیشن محفوظ ہے۔ اگر ہمسایہ ریاست یا پولیٹیکل محکمہ کے لئے اس کا وجود تکلیف دہ ہو۔ اگر برطانوی ہند میں کسی قتل میں اس کا ہاتھ ہو۔ اُسے تخت سے معزول کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ اپنا تمام وقت شراب رنگ رلیوں اور حسین بیسواؤں میں صرف کرے۔ اگر وہ اپنی رعایا کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لے۔ اگر اس کا محل بدمعاشی رشوت ستانی۔ اور بدکاری کا مسکن ہو۔ ریاست کی سالانہ آمدنی مشغلوں پر نچھاور کر دے۔ ریاست کے جواہرات رہن رکھ دے۔ بطور حکمران مطلق العنان ہو بطور انسان بدمعاش و شیطان تو اقتدارِ اعلیٰ عام طور پر مداخلت سے گریز کرے گا۔ وائسرائے صاحب اپنے عہدِ حکومت میں ایک بار دوبارہ

ریاست کا دورہ کریں گے - شکار - بے پناہ محافظ - دربار اور آرائش و نمائش تمام وقت کھا جائیں گے - شراب شمپین کے بلبلوں اور شکار کے نشہ میں حکومت ہند کے ریکارڈ خانے بھول جاتے ہیں —— جو بدترین استبداد و مطلق العنانی کے کے جوہروں سے اٹے بھرپڑے ہیں -

حکمرانوں کے خوبصورت محلات - صاف اور خوشنما سڑکوں اور بڑے بڑے بنکوں سے ان حقائق کا موازنہ کرو جو سٹیٹس پیپلز کانفرنس نے ایک عرضداشت میں ہٹلر کمیٹی کے سامنے پیش کئے -

"ریاست حکمران کی ذاتی جاگیر خیال کی جاتی ہے - حکمران کے اخراجات کا کوئی حساب نہیں - بجٹ شائع نہیں ہوتا اور نہ ہی آزادانہ طور پر آڈٹ کیا جا سکتا ہے - پبلک اکاؤنٹس کمیٹی کے ادارے ریاستوں میں معدوم ہیں - لوگوں کو تشخیص محاصل دستوربندی اور ریاست کے نظم و نسق میں کوئی آواز حاصل نہیں"-

آئینی حکومت میں ایک اور نہایت اہم حقیقت قانون کا راج ہے - ایک آدھ کو چھوڑ کر کسی ریاست میں اس کا

کوئی وجود نہیں۔ انفرادی آزادی ہیبیس کارپس مرافعہ گذاری یا قانون کی نظروں میں سب کا ایک ہونا ریاستوں کی دنیا میں موجود نہیں۔ ان مطلق العنان ریاستوں میں حکمرانوں کا انتہائی مطلق العنانی اور خود پسندی سے اختیارات کا استعمال کرنا روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ آزادی مفقود اور جان و مال کی اماں ملنا مشکل ہے۔ بالخصوص ایسی ریاستوں میں جہاں حکمران کا مذہب رعایا کے مذہب سے مختلف ہے۔

میسور ٹراونکور اور چند دیگر ریاستوں کو ریاستی ترجمان سمجھنا بڑی بھاری غلطی ہے۔ میسور۔ ٹراونکور اور چند اور ریاستیں جن کا نظم و نسق کسی حد تک جدید خیال کیا جا سکتا ہے۔ غالباً سو میں نصف درجن اور یقیناً سو میں ایک درجن سے زیادہ نہیں۔ چند ریاستوں کے انتظامات اچھے ہیں۔ یا محکمہ جات رفاہ عامہ پر معقول رقم صرف کی جاتی ہے یا پبلک کو اپنی رائے کے اظہار کا واضح دستور حاصل ہے۔

کرنل پالول بجا فرماتے ہیں۔ کہ مطلق العنانی ہندوستانی ریاستوں میں اپنے قیام کی آخری جد و جہد میں مشغول ہے۔

ریاستیں دنیا بھر میں مطلق العنانی کی واحد یادگار ہیں۔ چین میں پرانے جھنڈے کی جگہ جمہوریت کا علم سرفراز ہے۔ ایک مطلق العنان نسل کا نمائندہ شہنشاہ جاپان ہے۔ جس کی خود مختاری متواتر پچیس صدیوں تک برقرار رہی۔ لیکن اب اسے دراصل وہی اختیارات حاصل ہیں۔ جو صدر فرانس کو۔ ایران میں رضا شاہ پہلوی کا دور دورہ ہے۔ جو چند سال قبل ایک معمولی سپاہی تھا۔ مجلس نے اس کے اختیارات اور حقوق معین کر رکھے ہیں۔ ٹرکی عزم صمیم کے مالک صدر کے آہنی پنجہ میں آدابِ مغربیت میں مغرب کو پس پشت ڈالنے میں مشغول ہے۔ روس کے خود مختار زار گمنامی کی قبروں میں پڑے ہیں۔ اور بالشوزم کا سرخ پھریرا ماسکو سے ولاڈ واسٹک تک لہرا رہا ہے۔ مراقش کا سلطان محض کٹھ پتلی ہے۔ اور رباط میں مقیم فرانسیسی ریذیڈنٹ کے اشاروں پر تگنی کا ناچ ناچتا ہے۔

"ہندوستانی ریاستوں میں اور صرف ہندوستانی ریاستوں میں آپ اس بات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ کہ ایشیا کی صدیوں سے پہلے کی مطلق العنانی کا مطلب کیا تھا۔

وہاں آپ کو اب بھی وہ زرق برق مرصّع ہستیاں نظر آئیں گی۔ جن کے مشابہ لوگ تختِ طاؤس پر رونق افروز تھے۔ ان کا شوقِ نمائش ان کی بے پناہ فضول خرچیاں۔ نفسانی عیش و عشرت۔ ان کے عجیب و غریب رسم و رواج۔ گھرے توہمات۔ پرتکلف محلات۔ پر احتیاط پہرہ میں زنان خانے۔ ان کی باپردہ خواص مرصّع رقاصائیں۔ ان کا اعتقاد کہ عورتیں انسان کی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے پیدا کی گئی تھیں۔ انسانی زندگی کے لئے۔ ان کی نفرت ان کی ہولناک سختیاں اور خوفناک سزائیں۔ سونے اور جواہرات سے معمور ان کے خزانے۔ ان کے خدام اور ملازمین کی افواج۔ سواروں کے دستے۔ خوبصورت تالاب۔ اور خوش نما باغات، پروہت اور بت، ان کے ہاتھی اور شیر۔ (معمہ کا آخری گھر)

لاعلاج مرض

ریاست ــــــ کا رقبہ ۸۸۰ مربع میل اور آمدنی ۴½ لاکھ روپیہ سالانہ ہے۔ موجودہ حکمران ایک نوجوان ہیں۔ جن کی عمر بمشکل ۲۵ سال ہوگی۔ نظامِ حکومت آپ کے سپرد ہوئے چھ سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ آپ کا عہدِ حکومت ایک طویل داستان ہے۔ ان فضول خرچیوں کی۔ جو آپ رقاصاؤں اور کھیٹروں پر کرتے رہتے ہیں۔ اور جن کی بنا پر رعایا کو جبر کا شکار بنایا جاتا ہے۔

حضور والیٔ سلطنت نے ریاستی معاملات میں کبھی کوئی

دلچسپی نہیں لی۔ ریاستی افسران ہر بات میں مختار مطلق ہیں۔ جب ریاست کی باگ ڈور آپ کے سپرد کی گئی۔ خزانہ بھرپور تھا۔ رعایا خوشحال اور فارغ البال تھی۔ لیکن ساڑھے تین سال کے عرصہ ہی میں ریاست دیوالیہ ہو گئی ہے۔ کاشتکاروں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ سرکاری نوکروں کی تنخواہیں باقی ہیں۔ یہ سب نتیجہ ہے۔ آپ کے اس عشق کا جو ایکٹریسوں اور رقاصاؤں کے رنگ میں آپ کے سر پر سوار ہے۔ مہاراجہ صاحب ایسے خود غرض سازشی لوگوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ جنہوں نے بظاہر صلاح کار یا ناصح مشفق کا جامہ اوڑھ رکھا ہے۔ انہوں نے نوجوان شہزادہ کی شہوانی خواہشات کو اپنی اغراض کے لئے بھڑکا رکھا ہے۔ ان کے زیرِ اثر مہاراجہ صاحب نے اپنے آپ کو لہو لعب کے سپرد کر رکھا ہے۔ شراب اور عیاشیوں نے آپ کو امورات سلطنت کے قابل نہیں چھوڑا۔ بد اخلاق عورتوں کو نوجوان حکمران کے فیاضانہ سایہ عاطفت میں محفوظ پناہ ملنے لگی ہے۔

حضور ہز ہائی نس نے مسمی الف کو ڈرامہ نویسی کی خدمات پہ معمور کر رکھا ہے۔ اسے باقاعدہ سترہ سو روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی ہے

نیز آپ نے ایک مستقل تھیٹر کمپنی قائم کر رکھی ہے۔ اور رقاصاؤں کو ہر ماہ کی .... تاریخ پر نہایت باقاعدگی سے تنخواہ ادا کی جاتی ہے۔ ریاست کے ملازمین کی تنخواہیں باقی کھڑی ہیں۔ البتہ پچھلی فروری مہاراجہ صاحب نے کسی نہ کسی طرح قرضہ اٹھا کر ان کی دسمبر تک کی تنخواہیں بیباک کر دیں۔

"تنخواہوں کی عدم ادائیگی کا لازمی نتیجہ یہ ہے۔ کہ ریاستی منتظمین رعایا پر ظلم ڈھانے لگے ہیں۔ یہ حیران کن بات نہیں۔ کہ افسران اور ان کے ماتحت عملہ لوگوں سے روپے بٹورنے کے تمام ذرایع اور طریقے استعمال میں لاتا ہو۔ ان کی شکایات اور التجاؤں کا پتھر دل مہاراجہ کے دل پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

"حضور مہاراجہ صاحب صبح کے دس بجے نیند سے بیدار ہوتے ہیں۔ اور اپنا تمام وقت اپنی منظور نظر رقاصاؤں کی معیت میں گذارتے ہیں۔ دہلی کی ایک بیسوا........ کو راج محل میں مہارانی کا درجہ حاصل ہے۔ اس نوجوان حسینہ کو ایک ہزار روپیہ ماہوار ادا کیا جاتا ہے۔ مہاراجہ صاحب اس عورت کے پیچھے دیوانہ ہوئے پھرتے ہیں۔ اور زیادہ تر وقت اسی کیساتھ

بسر کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا رپورٹ کو "شاہانہ ہند" کے بیباک کالموں میں شائع ہوئے کوئی زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ نام اور مزید تفاصیل اس اصول کے پیش نظر درج کرنے سے گریز کیا گیا ہے۔ جس کی اس کتاب میں پیروی کی گئی ہے۔ یعنی یہ کہ ہمارا مقصد کسی منفرد ریاست یا مہاراجہ پر حملہ نہیں۔ آج سے چند سال قبل جب ایک رسالہ نے شہنشاہ جارج پنجم کے اخلاق پر اس نوعیت کا حملہ کیا کہ آپ نے ایک امیرالبحر لڑکی سے غیر متناسب تعلقات قائم کر رکھے ہیں۔ تو ہز مجسٹی ایک عام عدالت میں پیش ہوئے۔ خود گواہوں کے کٹہرے میں کھڑے ہوئے۔ اور اپنی استثنائی حیثیت سے دستکش ہو کر ثابت کیا۔ کہ رپورٹ جھوٹی ہے۔ ہندوستان کے طول و عرض میں متعدد اخبارات ایسی ہیں۔ جن کا ہمیشہ ہی فقط یہ ہے کہ وہ خاص خاص ریاستوں کے انتظامی معاملات سے متعلق خبریں شائع کرتے رہتے ہیں۔ ایسی رپورٹیں مقامی طور پر سنسنی پیدا کر دیتی ہیں۔ لیکن ان الزامات سے متعلق نہ تو کوئی پبلک تحقیقات کی جاتی ہے اور نہ ہی ایسی تحقیقات کا سامنا کرنے کی ریاست کو جرأت ہوتی ہے تو پھر ایسی صورت میں۔ جبکہ ایسی تحقیقات عمل میں نہ لائی جائیں

تو عامتہ الناس یہ تصور کرنے پر موردِ الزام نہیں ٹھہرائے جا سکتے کہ وہ خبریں حرف بحرف درست ہیں۔

ان تحقیقات کی عدم موجوگی میں اندازہ لگانا نہایت دشوار بات ہے کہ ان بدانتظام ریاستوں یا مستبد حکمرانوں کی تعداد کیا ہے۔ ہمیں یہ کہنے کا حق حاصل ہے۔ کہ حکومت ایسی تحقیقات سے پہلوتہی کرتی ہے۔ لیکن سٹیٹس پیپلز کانفرنس کی کارروائیوں سے اندازہ لگاتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ ریاستی رعایا کے دلوں میں ان اموارات سے متعلق کوئی شک وشبہ موجود نہیں ہے۔ وقت اور موقع ایسا نہیں کہ وہ اپنی شکایات کو منظرِ عام پر عامتہ الناس کے سامنے پیش کر سکیں۔ اس کتاب کے مطالع کے بعد قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کی نوعیت کیا ہے۔ مسٹر رنگا آئر رقمطراز ہیں۔

"یہ کوئی حیران کن امر نہیں۔ کہ ہندوستان میں برٹش راج والیانِ ریاست کی حکمرانی سے زیادہ مقبول ہے۔ اگر ہندوستانیوں کو یہ بتایا جائے کہ انگریزی حکومت کل تمام ہندوستان کو مہاراجوں کے ماتحت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر دے گی اور اس طرح تمام ہندوستان خود مختار ریاستوں میں تبدیل

ہو جائے گا۔ تو پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔ تمام ملک اس وحشت ناک تجویز کے خلاف اٹھ کھڑا ہو گا۔ از منہ وسطیٰ کے ان مہاراجوں کے سر سے برطانیہ کا دست سرپرستی اٹھا لو۔ تو ان کی رعایا جو ان کے ناگفتہ بہ مظالم اور کمینہ پن کے زیر اثر کراہ رہی ہے۔ ایک ہفتہ کے اندر اندر ان کا تختہ الٹ کر رکھ دے گی" یہ کوئی اچنبہ نہیں کہ سندر ابائی پلیشنکار نے لارڈ ریڈنگ کو بتایا۔ "بہرکیف یہ برطانوی فوج کی مہربانی تھی کہ انہوں نے حضور ہز ہائی نس کو گدی پر بٹھا دیا۔ اگر وہ مداخلت سے باز رہتی۔ تو رعایا ایک ہفتہ میں تمام جھگڑے طے کر لیتی"۔

ان صفحات میں بیان کردہ حقائق ایک حد تک اس بات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ کہ کس درجہ والیان ریاست لوگوں کے مفاد میں حکومت کرتے ہیں۔ اور کہاں تک نظم و نسق کی کھیوریاں عمل کا جامہ پہنتی ہیں۔ یہ صفحات تو محض سچائی کا ایک پرتو ہیں۔ اگر حکومت ہند کے ریکارڈ خانوں کی چھان بین کی جائے تو وہاں ایسی ہولناک داستانیں معلوم ہوں گی۔ جن کی مثال ملنا ناممکن ہو۔ یعنی عیاشی۔ مظالم اور بدکاریوں کی داستانیں۔ کمشن مقرر

ہوئے۔ اور کارروائیاں ہوئیں۔ وائسرائے ریاست کے دورہ پر آئے۔ اور تشریف لے گئے۔ ہر بات پر کمیٹیاں مقرر ہوئیں۔ لیکن ریاستوں میں آباد کروڑہا نوعِ انسان کی حالت بدستور وہی ہے۔

اگر اس موضوع پر کسی اور شہادت کی ضرورت ہو۔ تو ہم ریاستی نظم ونسق کے ماہر مسٹر الین آبنیز جی کی رائے پیش کرسکتے ہیں جنہوں نے لوگوں کو بے زبان مویشی سمجھا۔ وی۔ ڈی گو کھلے نے دکن سٹیٹس پیپلز کانفرنس کے ساتویں اجلاس پر صدارتی خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ "میں خود ریاستی رعایا ہونے کی حیثیت میں مطلق العنانہ حکمرانی کے ان شدید اور جانکاہ مظالم کا مشاہدہ کرچکا ہوں جو رعایا کی ان مساعی کا گلا گھونٹ دیتی ہیں۔ جن کا مقصد معمولی سے معمولی ابتدائی حقوق حاصل کرنا ہوتا ہے"۔

"شاہانہ ہند" حال ہی میں، موروثی استبدادیت، پر اپنے مقالہ افتتاحیہ میں رقمطراز ہے۔ "بہت سے والیانِ ریاست اس وہم میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کہ جب تک انہیں سرکار ہند کے پولیٹیکل محکمہ کے چھوٹے معبودوں کی خوشنودی حاصل ہے۔ وہ تشدد اور ظلم کا کاروبار جاری رکھ سکتے ہیں اگرچہ

بہت سے مہاراجگان اپنی روشن خیالی اور جمہوریت کی روح پر نازاں ہیں۔ لیکن جب وہ منظر عام پر آتے ہیں۔ تو وہ بالکل قابل نفرین جابر و مستبد حاکم ہوتے ہیں"۔ "جہاں غلط کاریوں کو منصبِ شاہی حاصل ہو۔ وہاں حکمران کے پبلک افعال میں انصاف اور تدبر کی توقع رکھنا فضول ہے۔ اس لئے رعایا کو شاہانہ عمارات کی تعمیر کے لئے سینے فراخ کر لینے چاہئیں۔ جو عمارتیں ان کے خون سے نچوڑے ہوئے روپوں سے دولت کو پانی کی طرح بہا کر تعمیر کی جاتی ہیں۔ اور چند ہی سال بعد انہیں اس شخص کی ترنگ پورا کرنے کے لئے ہسمار کر دیا جاتا ہے جس کے ہاتھوں میں قدرت نے ان کی قسمت سپرد کرنا اس لئے موزوں خیال کیا ہوتا ہے۔ کہ درجنوں کی تعداد میں رولز رائس موٹر کاریں خریدی جائیں۔ اور ان میں سے چند قبل اس کے کہ انہیں ایک بار بھی سواری کا شرف بخشا گیا ہو۔ نیلام کر دی جائیں۔ اس لئے کہ بیش بہا رقوم صرف کر کے سڑکیں تعمیر کی جائیں۔ جن پر پیادہ رو انسانوں کو اپنے غلیظ پاؤں رکھنے کی اجازت نہ ہو۔ جہاں غیر معمولی شان و شکوہ کا مشاہدہ کریں اور یہی وہ شان و شکوہ کے راستے ہیں۔ جن کا معائنہ پولیٹیکل

محکمہ کے مہمان کرتے ہیں۔ بلکہ لوگوں کی اصل حالت جن کی خون و پسینہ اور جان کاہ محنت سے پیدا کردہ دولت حریص اور خود غرض حکمران کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔ بدنصیبی اور بے پایاں غربت کا نمونہ ہوتی ہے۔"

اس رسالہ میں ایک نامہ نگار استفسار کرتا ہے۔ "زمانہ وسطیٰ کا یہ نظریہ کہ ریاست شخص واحد کی ذاتی جائداد ہے اور اس کی رعایا حکمران کی غلام ہے۔ ایک عرصہ سے متروک ہو چکا ہے۔ جو شخص آج ایسے نظریہ کی ترجمانی پر زور دیتا ہے۔ اسے احمق یا پاگل خیال کیا جائے گا۔ لیکن کیا ہندوستان میں ایسے حکمرانوں کی کمی ہے۔ جو اگرچہ ایسی پالیسی کے اعتراف میں محتاط ہیں۔ لیکن دراصل آج روشنی کے زمانہ میں بھی ہر روز اس پر عمل کر رہے ہیں۔ اور کیا ہندوستانی عامتہ الناس اس ہولناک شکستہ حالی۔ مصائب اور بے آبروئی سے بے خبر ہیں۔ جو اس نامبارک نظریہ اور اس کے عمل سے — عوام کے حصہ میں آتی ہے۔

سر تیج بہادر سپرو نے ایسی ایسوایٹڈ پرس کے نام ایک طویل بیان جاری کیا۔ جس میں آپ نے ان الزامات کے

جواب میں جو بیکانیر کے مہاراجہ صاحب نے نہرو رپورٹ کے مضمین پر عائد کئے گئے تھے - ارشاد فرمایا۔ "میں اس بات پر زور دیتا ہوں - کہ کچھ ریاستوں سے چند ایسے واقعات میرے نوٹس میں آئے ہیں - جن کی بنا پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ بڑی شدت سے ازمنہ وسطےٰ کی یادگار ہیں ہیں۔ اگر اس نوعیت کی دوستانہ تنقید - جس میں ہندوستانی ریاستوں کے متعدد خدوخال اور چند وزرا کی قابلیت کی تعریف کی گئی ہو۔ مہاراجوں کی ناراضگی کا موجب ہو سکتی ہے - تو میں یہ عرض کروں گا - کہ والیانِ ریاست کو ہندوستان میں ایسے دوست تلاش کرنے میں مایوسی ہوگی جو یہ کہہ سکیں کہ ریاستوں میں ہر چیز بالکل ٹھیک اور درست ہے"۔ مسٹر رنگا آئر اپنی مشہور کتاب "ہندوستان امن اور جنگ" میں رقمطراز ہیں۔ "ریاستی پرجا کا سروکار مہاراجگان سے ہے - جن کی روایات اور سرشت ہر قسم کی جمہوریت کے خلاف ہے"۔

ایسے حالات میں ریاستی پرجا زیادہ سے زیادہ یہی خواہش کر سکتی ہے - کہ اور کچھ نہیں - تو کم از کم انہیں فیض بخش مطلق العنان ہی حاصل ہو جائے۔

بالعموم فیض بخش مطلق العنان حکمران بننے کی خواہش کرے گا۔ لیکن جب مہاراجہ صاحب نیک اور رحم دل لیکن کمزور ہوں۔ اور دیوان بے تمیز اور سخت گیر۔ تو نظم و نسق میں ایمانداری۔ انصاف اور دیانت مفقود ہوتی ہے۔ اس حقیقت میں کوئی مبالغہ نہیں کہ برطانوی ہند کی حالت ریاستی ہندوستان سے بدرجہا بہتر ہے"۔ ۱۳ اگست ۱۹۲۲ء کو الہ آباد کے مشہور اخبار لیڈر نے ایک مقالہ کے دوران میں تجویز کیا کہ مہاراجگان کا مرض لاعلاج ہے۔ اور اس کا واحد علاج یہ ہے کہ ان کا قصہ تمام کر دیا جائے۔

محولہ بالا بے شمار حوالجات جنہیں ہم والیان ریاست تشخیص الامراض کے طور پر پیش کر چکے ہیں۔ اس کتاب کے تصنیف کرنے کا بہترین جواز ہیں۔ اگرچہ اسی معاملہ کے حقیقی پہلو پر زور نہیں دیا جا سکا۔ لیکن یہ حقیقت ہے۔ کہ بیشتر ریاستوں کی حالت بالکل یہی ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ ہم بیشتر ازیں ذکر کر چکے ہیں۔ کسی خاص ریاست یا مہاراجہ پر حملہ کی غرض سے نہیں لکھی گئی۔ خاص خاص افراد سے متعلق حوالجات

کو نہایت سختی سے سنسر کرنے کے بعد تحریر کیا گیا ہے۔ مطلق العنانی اور بدکاری کی خاص خاص مثالیں اس لئے پیش کی گئی ہیں۔ کہ انہیں قاعدہ کلیہ بنا کر ان سے ہمہ گیر نتائج اخذ کئے جا سکیں۔ ہم نے جو جو معتبر رائیں اس کتاب میں پیش کی ہیں۔ ان کے محرک ایسے لوگ ہیں جن کی راست گوئی اور غیر جانبداری پر کوئی حرف نہیں اٹھایا جا سکتا۔ لیکن یہاں بھی نام حذف کر دئے گئے ہیں۔ تاکہ اس برگزیدہ نظام کے ممبران پریشانی اور کلفت سے محفوظ رہیں۔ اسی اصول کی ایسی حالت میں بھی پیروی کی گئی ہے۔ جبکہ لوگ ذکر کردہ بدمعاشانہ افعال سے پہلے ہی آگاہ ہو چکے ہیں۔

والیانِ ریاست کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جس سے اچھے یا برے اہم نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ عام ہندوستان اور رعایا ریاستی پرجا دونوں کے لئے اہمیت رکھتا ہے۔ اس سوال کے حل کی کنجی جان بل کے پاس ہے۔ اور اس سن رسیدہ شریف انسان کو کوئی بات کہنا ہمارے بس کی بات نہیں۔

تشخیص الامراض کے طور پر اس کتاب کا تصنیف

کرنا کوئی آسان بات نہ تھی۔ مجلس مہاراجگان اور اس کے حاشیہ نشینوں کی طرف سے بے پناہ پراپیگنڈا اس لئے کیا جا رہا ہے کہ حق کہہ کیوں دیا گیا ہے۔ ہم نے حق آشکارا کر دیا ہے۔ کہیں بدنما و بدزیب۔ کہیں مکروہ و مہیب۔ بہر حال یہ سچائی ہے۔ نہایت واضح اور کھلے الفاظ میں جان بل کو متنبہ کر دیا گیا ہے۔ کہ اسے ہندوستانی ریاستوں کی طرف اپنی ذمہ واری کا احساس نہیں رہا۔ جیسا کہ سر ایم۔ ویشوریا نہایت بجا طور پر فرما چکے ہیں۔ کہ ہندوستانی ریاستوں کے معاملہ میں کمشنروں کے ذمہ یہ فرض عائد ہوتا ہے۔ کہ وہ انہیں اسی حالت میں پڑا رہنے دیں۔ جو وہاں پہلے موجود ہے۔ ان کے لئے ریاستوں میں والیانِ ریاست سب کچھ ہیں۔ اور رعایا کچھ بھی نہیں۔ اور یہ خیال کبھی ان کے دماغ میں نہیں آیا کہ ریاستی رعایا کے دل میں ایسے خیالات اور ان خواہشات کا بیدار ہونا قدرتی امر ہے۔ جن کے ساتھ ان کی فلاح کا سوال وابستہ ہے۔

سائمن کمیشن تو اتنی سی بات کو بہت کچھ سمجھتا ہے۔ کہ ریاستوں میں کم از کم معمولی سی اصلاحات نافذ کر دی

جائیں۔ حضور وائسرائے شاید انہیں خوش اخلاقی سے خبردار کر دیں۔ لیکن سر ملکم ہیلی نے رامپور میں کہا (۲۷ اگست ۱۹۳۰ء)

"ریاستی نظام کے استحکام کا دارو مدار اس ترقی پر ہو گا۔ جو نہایت خوشنما طریقہ سے تعمیر شدہ شاہ راہ پر اختیار کی جائے گی۔ کیونکہ اگرچہ اس وقت مطلق العنانی پر کوئی قطعی حملہ نہیں کیا جا رہا۔ بایں ہمہ مستقبل یقیناً مسلسل اور لگاتار ایسے مطالبات کو جنم دے گا۔ جو مقبول حکومت کی سپرٹ میں کام کرنے والے نظاموں نے اپنے لئے محفوظ کر رکھے ہیں۔ اور ایک ایسے ضابطہ قانون کے لئے مطالبہ کیا جائے گا۔ جس میں تغیر و تبدل نمائندہ مجالس کے صلاح اور مشورہ سے ہی ہو سکے محکمہ عدل و انصاف ایسے ماہر فرد کے ماتحت ہو جس کو کسی قطعی یا مسلمہ قصور کی پاداش میں ہی برطرف کیا جا سکے۔ سرکاری عہدہ جات پر بڑے احتیاط کے بعد لوگ ایسی شرائط کے ماتحت فائز کئے جائیں۔ جو راست بازی اور غیر جانبداری کے معیار کو برقرار رکھ سکیں۔ ٹیکسوں کا بوجھ رعایا پر اس باقاعدگی اور احتیاط سے ڈالا جائے۔ کہ تمام طبقات اس بار کے متحمل ہو سکیں وغیرہ وغیرہ۔ ماضی میں حالات جو بھی کچھ ہوں۔

اب اُس وقت تک اطمینان اور تسکین کا سانس لینا ناممکن ہے۔ جب تک یہ مطالبات ذمہ دارانہ حد تک پورے نہ کر دئے جائیں"۔

اگر آپ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ والیان ریاست کی اکثریت خوشی بخوشی ان اختیارات کو لوگوں کے سپرد کر دے گی۔ جن سے وہ اس وقت تک استفادہ حاصل کر رہے ہیں۔ تو اس کے متعلق عرض ہے۔ کہ یہ محض آپ کی امید موہوم ہے۔ ان کے لئے یہ بات بھی ناقابل برداشت ہوگی۔ کہ وہ ریاستی ضروریات پر اپنی شخصی ضروریات کو قربان کر دیں۔ نمائندہ اسمبلیوں اور پریوی کونسلوں کے ڈھکوسلے کھڑے کر دئے جائیں گے۔ اس طرح پرانے مطلق العنان نئے لبادوں میں نظر آئیں گے۔ وہ لبادے بلاشبہ نہایت خوشنما اور خوبصورت ہوں گے۔ لیکن وہ ہوں گے فریب و ریا کے جامے۔

ہندوستانی ریاستوں میں پیدا شدہ صورت حالت اس بات کی گواہی دیتی ہے۔ کہ عنقریب وہاں ایک بھاری تبدیلی پیدا ہو کر رہے گی۔ یہ تبدیلی شاہانہ دستور کی حبّ الوطنی اور

ایثار سے وجود میں آئے گی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ تبدیلی معرض وجود میں آئے گی۔ آیا والیانِ ریاست کی حب الوطنی یا ایثار سے۔ یا اس کی محرک وہ فرمانروا حکومت ہوگی۔ جو تہذیب کا مقدس محافظ ہونے کی دعوے دار ہے۔ یا یہ تبدیلی ہولناک اور بھیانک انقلاب سے برپا ہوگی۔ آج اس کے متعلق کچھ رائے ظاہر کرنا قبل از وقت ہے۔ اس سلسلہ میں سر ولیشور آئر اس رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

"ہندوستانی والیانِ ریاست کے سامنے جاپان کے جاگیرداروں کی مثال موجود ہے۔ جو ۱۸۷۱ء میں ملک کے پیغام پر اپنے تمام حقوق سے دست بردار ہو گئے۔ تاکہ ملک کی یک جہتی اور تعمیرِ نو کا کام بآسانی سرانجام پا سکے۔ جن قربانیوں کے لئے ہندوستانی مہاراجگان کو کہا جا رہا ہے۔ نوابوں کے مقابلہ میں عشر عشیر بھی نہیں۔ والیانِ ریاست کو زیادہ سے زیادہ صرف یہی کہا جا رہا ہے کہ وہ راج پربندھ اپنی رعایا کے اہل ترین انسانوں کی امداد و معاونت کے ساتھ رفتارِ زمانہ کے مطابق چلائیں۔

ان سے یہ ہی التجائیں کی جا رہی ہے۔ کہ وہ خود بخود

ہی ان تبدیلیوں کا آغاز کر دیں - جو کچھ عرصہ بعد انہیں بزورِ حرض عمل میں لانا پڑیں گی - اب بات بالکل صاف ہے۔"

اگر والیانِ ریاست کی اکثریت نے یہ حقیقت تسلیم کر لی ہوتی - اگر ان کا نظم و نسق لارڈ ارون کی بیان کردہ جدید حکومت کی بنیادوں پر قائم ہوتا - اگر ان کی حکومتیں بیکانیر اور بھوپال کے حکمرانوں کے بیان کردہ خوش آئند ریکارڈوں کا نمونہ ہوتیں - اگر لندن پریس کے نام مہاراجہ پیپلا کا بیان پچاس فیصدی تک بھی درست و صحیح ہوتا - تو اس کتاب کے لکھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی - اگر ریاستوں میں ہر چیز ایسی ہی ہے - جیسا کہ ہونی چاہیئے - تو مجلسِ مہاراجگان کو پراپیگنڈا کے لئے اتنے گراں خرچ ادارہ کے چلانے کی کیا ضرورت ہے کہ ایک مہاراجہ رات کیسے گزارتے ہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی انسان کو اس وقت تک زندگی کا حق حاصل نہیں ہے - جب تک وہ وقت کی رفتار کے ساتھ چلنے کے قابل نہ ہو —— یہ تہذیب کا ایک بنیادی قانون ہے - تمام قوانین کی طرح اپنے وقت پر یہ بھی بڑی سختی سے حرکت کرتا ہے —— یہ اٹل اور لازمی قانون ہے۔

اس حقیقت کو محسوس کرنا اس ملک کے عامۃ الناس کے اپنے مفاد میں ہے۔ اور والیانِ ریاست کا مفاد بھی اسی بات میں مضمر ہے۔ کہ وہ اسے سرمایہ حیات بنائیں۔ بے راہ روی اور نا اہلیت زیادہ دیر چل نہیں سکتی۔ بدیر و زود اگر فرعونوں نے سوراج حاصل کر لیا۔ روزِ مکافات آجائے گا۔

سینکڑوں غدّار علاقے

ہم ریاستی مسائل کے مختلف پہلوؤں پر کھول کر روشنی ڈال چکے ہیں۔ کہ ریاست تمام عملی مقاصد میں حکمران کی نجی جائداد خیال کی جاتی ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہندوستان میں فی الواقع ۵۶۴ غدار علاقے موجود ہیں۔ ہم یہ بھی مشاہدہ کر چکے ہیں کہ ان قلمروؤں کا نظام حکومت کیسا ہے۔ ہم یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ اقتدار اعلیٰ بد انتظامی کے لئے اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔

بہرحال اس مسئلہ کی مشکلات کا حل کیا ہے۔ حضور شہنشاہ سلامت نے بلاشبہ وعدہ کر رکھا ہے۔ کہ ہندوستانی

والیانِ ریاست کے حقوق - مراعات اور جاہ و حشم برقرار رہیں گے - اور یہ ایسا قول ہے - جس پر آزاد ہونے کے بعد ہندوستانی حکومت بھی قائم رہنے پر مجبور ہوگی - دوسری طرف ہم اقتدارِ اعلیٰ کی ان ذمہ داریوں کا بھی ذکر کر چکے ہیں - جو اس پر ملک کے ڈیفنس اور ریاستوں کے انتظامات بہتر بنانے کے سلسلہ میں عائد ہوتی ہیں -

والیانِ ریاست کے سامنے سرکارِ اعلیٰ کے ساتھ کئے گئے معاہدے ہیں - رعایا کے سامنے اپنی مشکلات اور مصائب ہیں - ہندوستانی عوام الناس اپنے بکھیڑوں میں پریشان ہیں - برطانوی پریس کے کالم مجلس مہاراجگان کے ان ممبران پر تبصروں سے پر ہیں - جنہیں والیانِ ریاست میں خصوصی شان حاصل ہے - وایسرائے حالات سے بے خبر نہیں - اور جب کبھی موقعہ ہاتھ لگتا ہے - دبی زبان میں اشارہ کر دیتے ہیں - کہ ریاستی نظم و نسق اصلاحات کے محتاج ہیں - بایں ہمہ حالات وہیں کے وہیں رہتے ہیں -

بٹلر کمیٹی اپنے پیراگراف ۵۰ میں مختصر رقمطراز ہے -

"حضور شہنشاہ سلامت کے اس وعدہ کے ساتھ کہ والیان ریاست کے حقوق، مراعات اور جاہ وحشم برقرار رہیں گے۔ تاج پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ کہ والیِ ریاست کو کسی ایسے حملے سے محفوظ رکھے۔ جس کا مقصد اُسے تخت سے ہٹانا یا کوئی اور نظامِ حکومت قائم کرنا ہو۔ اگر یہ معلوم ہو گیا کہ ان حملوں کا اصل سبب والیِ ریاست کی بدانتظامی تھی۔ تو پناہ صرف اسی صورت میں دی جائے گی۔ جس کا ذکر ہم پہلے پیرا میں کر چکے ہیں۔ لیکن سبب اگر بدانتظامی کی بجائے تبدیلی کا وہ مقبول عام جذبہ ہوا جو ملک کے طول و عرض میں پھیل رہا ہے۔ تو اقتدارِ اعلیٰ حکمران کے جملہ حقوق کی حفاظت پر مجبور ہو گا۔ بایں ہمہ تاج ایسے ذرایع بروکار لانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے گا۔ جن سے حکمران کو معزول کئے بغیر لوگوں کا مطالبہ پورا کیا جا سکے"۔

اب بٹلر کمیٹی کے متعلق یہ عرض ہے۔ کہ اس نے ریاستی مسئلہ کو اچھی خاصی پیچیدگیوں کا مخزن بنا دیا ہے ایک طرف تو وہ حکومتِ ہند کی برتری پر زور دیتے ہوئے یہ کہتی ہے کہ اسے ہندوستان کی مجموعی فلاح میں

مداخلت کرنے کا حق حاصل ہے۔ دوسری طرف ایسی ۵۶۲ بالکل آزاد ریاستوں کو سامنے لا کھڑا کرتی ہے۔ جو سوراجی حکومت سے بھی آزاد ہوں گی۔

اس مشکل کے کئی حل پیش کئے گئے ہیں۔ ایک تجویز تو یہ ہے۔ کہ برقرار ریاستی نظام کو سرے سے ختم ہی کر دیا جائے۔ اور ریاستیں برطانوی ہند میں مدغم ہو جائیں۔ دوسری تجویز اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ یہ کہ برطانوی ہند کو ریاستوں سے ملا دیا جائے۔ تاکہ ان پر مشرقی وضع کا راج قائم ہو سکے۔ یہ دونوں تجاویز قابل عمل نہیں ہوں۔ تو فیڈرل حل باقی رہ جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا حل ہے۔ جسے ہر طرف کے محبانِ وطن نے "قطعی حل" قرار دیا ہے۔ منزل مقصود دور ہے۔ اور راستہ دشوار گزار۔ اس کے باوجود یہ پسندیدہ راہ ہے۔...... اور ہر اس انسان کی نظریں اس راہ پر مرکوز ہیں۔ جس کا دل بحیثیت مجموعی ہندوستانی مفادات کی محبت سے لبریز ہے۔

مہاراجہ پٹیالہ جو اپنے بھائی بند حکمرانوں کی طرح ریاکار نہیں۔ اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ ریاستیں

چوراستہ پر کھڑی اپنی اپنی راہ چلنے کی فکر میں ہیں۔

ہمارے لئے یہ قدرتی امر ہے۔ کہ ہم نہ صرف اپنی ہستی برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ بلکہ وہ حقوق بھی۔ جنہیں ہم نے نازک ترین اوقات کی قربان گاہ پر گراں بہا قربانیاں دے کر حاصل کیا ہے۔ مذکورہ بالا حقیقت کی روشنی میں وقت کے تقاضے ہم سے مطالبہ کرتے ہیں۔ کہ ہم ان حقوق کے حصول میں جو مختلف حالات میں ہم سے چھینے گئے۔ تمام طاقتیں صرف کر دیں۔ بلاشبہ یہ ایک ایسا فرض ہے۔ جس کو سرانجام دینے میں ہم اپنی رعایا اور اپنی آئندہ نسلوں کے سامنے جوابدہ ہیں۔ اگر ہم نے اس فرض سے گریز کیا۔ تو اس کا یہ مطلب ہو گا۔ کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے نااہل ترجمان ہیں

مہاراجہ بیکانیر خوش امید مستقبل کی توقع رکھتے ہوئے غیر مبہم الفاظ میں ذکر کرتے ہیں۔ کہ "والیان ریاست ان تحفظات کو خاص اہمیت کا موجب سمجھتے ہیں۔ جن کا مقصد اس بات کے پیش نظر ریاستی حکمرانوں کی معزز حیثیت کو برقرار اور محفوظ رکھنا ہے۔ کہ وہ برطانوی سرکار کے دوامی اتحادی اور رفیق کار ہیں"۔ آپ آگے چل کر فرماتے ہیں۔ ریاستوں

سے کسی ایسی تجویز کے ساتھ اتفاق کی امید نہ رکھی جائے جس کا مقصد کئے گئے۔ معاہدہ کی تنسیخ یا یہ ہو کہ والیانِ ریاست کے خسروانہ حقوق اور ان کی داخلی خود مختاری پر چھاپہ مارا جائے۔

ان تمام حقائق سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکارا ہوتی ہے۔ کہ ہندوستانی مدبران کے سامنے صرف یہ مسئلہ نہیں کہ ہندوستان کو کس طرح وحدت کی ایک لڑی میں پرو دیا جائے۔ پیشتر اس کے کہ وہ اس مسئلہ کو حل کریں۔ انہیں ہندوستان کے علیحدہ علیحدہ ۵۶۲ مسائل کا حل کرنا درکار ہے۔ اس موضوع پر "تسلی انڈیا" نے بڑی خوبی سے دریا کوزہ میں بند کر رکھا ہے۔

"جب والیان ریاست اعلان کر چکے ہیں۔ کہ ہندوستان کا جائز نصب العین درجہ نوآبادیات ہے۔ تو بنیادی حل طلب سوال یہ رہ جاتا ہے۔ کہ آزاد ہندوستان میں ریاستوں کے متعلق تاج کا کون نمائندہ ہوگا؟ اگر باہمی تعلقات میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی۔ تو اس کی نوعیت کیا ہوگی۔؟ کب پسماندہ ریاستوں کے اندرونی نظم و نسق میں ضروری اصلاحات

نافذ کرنے کے لئے مداخلت کرنا مناسب ہوگا"۔

پہلا نہایت اہم سوال والیانِ ریاست نے حل کر دیا ہے۔ کہ وہ تاج سے کئے گئے معاہدہ جات میں کسی مداخلت کی اجازت نہ دیں گے۔ ہندوستان کی ہر آئندہ حکومت میں تاج کے ترجمان وائسرائے ہوں گے۔ اور وہ کسی ایسی طاقت کو برداشت نہیں کریں گے۔ جو وائیسرائے کی جگہ لینا چاہتی ہو۔ ہم اپنے اخبار میں متعدد بار لکھ چکے ہیں کہ ایسے خیالات دراصل آزاد ہندوستان سے انحراف پر محمول ہیں۔ اور جب والیانِ ریاست یہ کہتے ہیں۔ کہ ہندوستان کی آزادی میں روڑا نہیں بنیں گے۔ تو ان کا مطلب وہی نہیں ہوتا۔ جو کچھ وہ کہہ رہے ہوتے ہیں۔ آئینی اور بین الاقوامی قانون کے مطابق والیانِ ریاست آزاد ہندوستان میں اس طاقت کو تاج کا ترجمان تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ جو وائیسرائے کی جگہ لے گی۔

ہز اکسیلنسی وائسرائے نے اپنی ایک تقریر کے دوران میں ارشاد فرمایا۔ "اگر آپ کا مقصد ان لوگوں کی فلاح بہبود ہے۔ جو آپ کی سرپرستی میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور

اگر ہم اس بات پر متفق ہوں۔ کہ یہ اختیار و طاقت ہمیں ذاتی مفاد کی بجائے مفاد عامہ میں دی گئی ہے۔ تو ایسا راستہ ڈھونڈ لینا کوئی ناممکن بات نہ ہو گی۔ جس پر گامزن ہو کر ریاستیں اور برطانوی ہند باہمی میل ملاپ سے ہندوستان کی خدمت میں بہترین تحائف پیش کر سکیں۔

مگر یہاں سب سے بڑی مصیبت لارڈ ارون کا "اگر" ہے۔ یعنی آپ یہ فرماتے ہیں کہ "اگر آپ کا مقصد ان لوگوں کی فلاح و بہبود ہے۔ جو آپ کی سرپرستی میں زندگی بسر کر رہے ہیں"۔ اس کتاب میں اس اگر پر کھول کر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اور بہت اچھی طرح بتایا جا چکا ہے۔ کہ ان تصورات پر عمل پیرا ہونے کو کون کونسی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔ پھر بھی کسی اور مثال کی ضرورت ہو۔ تو ہم حسب ذیل وحشتناک واقعات کا ذکر کر سکتے ہیں۔ پہلا واقعہ شنکر رائے دوبے سے متعلق ہے۔ اور دوسرا سندرا بائی پلشنگار سے دونوں صورتوں میں حکومت ہند کی خدمت میں عرضداشتیں بھیجی گئیں۔ مگر کچھ شنوائی نہ ہوئی۔

شنکر دوبے ایک مکینیکل انجینیر تھے۔ اور ریاست

اندور میں پالکیاں اور گھوڑا گاڑیاں بنانے کا کارخانہ کھول رکھا تھا۔ جسے آپ بذات خود بڑی کامیابی سے ۱۶ سال سے چلا رہے تھے۔ اسی فیکٹری میں کئی شاہی گاڑیاں بنائی گئی تھیں۔ اچانک ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو کوتوال شہر پولیس کی بھاری جمعیت کے ساتھ صاحب موصوف کے مکان پر تشریف لائے۔ اس سلسلہ میں یہ بتا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کا مکان اندور سٹی پولیس کے دائرہ انتظامات سے باہر تھا۔ شنکر دوبے کو بغیر کسی تحریری حکم کے اس بات سے آگاہ کیا گیا کہ ہز ہائی نس کے احکامات کے مطابق دوبے خاندان کی تمام غیر منقولہ جائداد بحق سرکار ضبط کر لی گئی ہے۔ اور اسے زبانی حکم سنانے کے بعد کہا گیا کہ وہ دو گھنٹوں کے اندر اندر مکان خالی کر کے تمام جائداد اس کے سپرد کر دے کوتوال شہر کی اس کارروائی کی تصدیق میں ۸ نومبر ۱۹۲۰ء کو باقاعدہ طور پر گزٹ میں اعلان کیا گیا۔ یعنی دوبے خاندان کی جائداد ضبط کر لینے کے دو ماہ بعد گزٹ میں یہ درج کیا گیا تھا۔

"دوبے خاندان رام پرشاد اور اس کے بھائی کی ذات

میں غدار اور نمک حرام ثابت ہؤا ہے - اور جو کاروائی رام پرشاد اور مادھو پرشاد کے خلاف عمل میں لائی گئی ہے - اصلاح کن ثابت نہیں ہوئی -

چنانچہ ہز ہائی نس نے حکم جاری کیا ہے - کہ دوبے خاندان کی انعام اور دوسری تمام جائداد غیر منقولہ ضبط کر لی جائے. دوبے خاندان سے مراد وہ خاندان ہے - جو مرحوم بالمکند اور ان کے آباؤ اجداد کے نام سے مشہور تھے - کہیں یہ نہیں بتایا گیا - کہ گاڑی ساز فیکٹری کے مالک شنکر پرشاد دوبے غداری یا بغاوت کے مجرم تھے - مگر چونکہ مہاراجہ صاحب نے فرض کر لیا، کہ دوبے خاندان کے کچھ رکن آپ کے وفادار نہیں رہے - چنانچہ تمام خاندان کی جائداد ضبط کر لی گئی - یہ ایک قابل ذکر مثال ہے کہ ریاستوں میں کس طرح قانون پر عمل لایا جاتا ہے -

دوسرا معاملہ بھی اسی ریاست کا ہے سندرا بائی بلشکارہ کی شادی اندورہ ریاست کے ایک موروثی دیوان سے کی گئی - جسے مرگی کا عارضہ لاحق تھا - حضور ہز ہائی نس کے حکم کے مطابق عقد منسوخ کر دیا گیا - وجہ یہ بتائی گئی کہ

مرگی کا مریض شادی کے قابل نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے فوراً بعد دوبارہ اس کی شادی کا حکم نافذ ہوُا۔ اور ایک بیس سالہ لڑکا ان کا قبضہ بنا دیا گیا۔ بد نصیب سندرا بائی پلشکار نے حکومت ہند کی خدمت میں مرافع گزارے۔ مگر سب بے سود۔ یہ عرضداشتیں پریس میں شائع ہوئیں۔ اور انہوں نے بے پناہ پبلک ہمدردی پیدا کر دی۔ سندرا بائی کی وایسرائے کے نام ۱۴ ستمبر ۱۹۳۲ء کی درخواست اپنے دو پہلوؤں میں خاص طور پر دلچسپ ہے۔ آپ عورتوں اور لڑکیوں کے اغوا کا ذکر کرتی ہیں۔ اور یہ الزام لگاتی ہیں۔ کہ ہزہائی نس جن حرکات کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ برطانوی ہندوستان بھر میں کوئی شخص ایسا کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ بہر کیف یہ برطانوی فوج ہی ہے۔ جس کی بدولت آپ گدی پر متمکن ہیں۔ اگر یہ پناہ ہٹالی جائے۔ تو رعایا تمام جھگڑا ایک ہفتہ کے اندر اندر طے کر سکتی ہے۔"

لارڈ ارون ایشیائی مطلق العنانی کو ایک انسان کی حکومت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ مجلس مہاراجگان اسے داخلی خود مختاری کا نام دے سکتی ہے۔ نواب بھوپال

کو اختیار حاصل ہے۔ کہ وہ اسے ایک طرح کی ذمہ وار حکومت قرار دیں۔ ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب بیکانیر اسے ہندو تصورات کا پرتو کہنے میں مختار ہیں۔ نام کا کیا ہے۔ ایک دماغی ہسپتال بہرکیف پاگل خانہ ہے۔ جیسے لارڈن اروِن بڑی متانت سے ایک شخص کی حکومت قرار دیتے ہیں۔ سائمن کمیشن کے نزدیک وہ مطلق العنانہ حکمرانی ہے۔ بٹلر کمیٹی ریاستوں کی تعریف "نیم قبیلی۔ نیم جاگیردارانہ اور کامل مطلق العنانہ اصطلاحات میں کرتی ہے۔ کرنل ہکسر کی نظروں میں ان کے مرحوم آقا تیس لاکھ انسانوں کے مختار مطلق تھے (ایشیاٹک ریویو) مطلق العنان آقا کے لئے ایک اور لفظ "پرو پرائٹر" نہایت موزوں ہے۔ یہ بھی وہ اصطلاح ہے جسے ریاستی پرجا ایک معمولی ریاستی حکومت کی تعریف میں استعمال کرتی ہے نہرو رپورٹ میں کیا خوب لکھا ہے کہ "جب تک مطلق العنان حکومت کے خصوصی خدوخال میں نمایاں تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ جہاں کہیں کسی مطلق العنان حکومت کا ذکر کرنا مقصود ہو تو ہندوستانی ریاست کی اصطلاح سے کام لیا جائے۔"

ہندوستانی عوام کے دلوں میں اپنے اُن بھائی بند ہمسایوں کے لئے ازبس جزباتِ ہمدردی موجود ہیں۔ جو ریاستوں میں آباد ہیں۔ آل انڈیا کانگرس کے سابقہ صدر مسٹر سری نواس آئینگر رقمطراز ہیں۔

"ہندوستانی ریاستوں کی آبادی برطانوی ہندوستان کے تیسرے حصہ سے قدرے کم ہے۔ ہندوستانی ریاستوں اور برطانوی ہند دونوں کے خیالات، محسوسات، اور مفادات ایک ہیں۔ ان پر سیاسی حدبندیاں موثر ثابت نہیں ہوسکتیں۔ برطانوی ہندوستان میں جب لوگ حصولِ سوراج کے لئے لڑ رہے ہوں۔ تو ریاستی پرجا کو پورا حق پہنچتا ہے۔ کہ وہ ہندوستانی ریاستوں کو برطانوی ہند کے دوش بدوش لانے کی مساعی عمل میں لائیں"

ہندوستان میں رائے عامہ نہرو رپورٹ کے حق میں تھی۔ لیکن ریاستی لوگوں نے اس پر نہایت کڑی نکتہ چینی کی۔ انہوں نے اسے ناقص رپورٹ قرار دیا۔ کہ اس میں کوئی ایسی تجویز موجود نہ تھی۔ جس کے ذریعہ برطانوی اور ریاستی ہند کو ایک فیڈرل نظام کی لڑی میں پرویا جاسکے۔ ان سے پوچھا

گیا کہ ریاستی پرجا برطانوی ہند سے فیڈریشن بنانے پر اس قدر بیتاب کیوں ہے۔ اس کا جواب استفسار طلب ہے۔ مہاراجہ صاحب بیکانیر کیوں بلاوجہ شکر کے اظہار کر دیتے ہیں۔ کہ رپورٹ نے اپنے آپ کو برطانوی ہند یا کل ہند مسائل تک محدود رکھا۔ اور ریاستوں کی داخلی خود مختاری سے متعلق خالص گھریلو معاملات کو بڑی دانشمندی سے نظر انداز کر دیا۔"

آخر محولہ بالا مسئلہ کا حل کیا ہے

بٹلر کمیٹی کے سامنے ریاستی پرجا نے اپنے مطالبات میں اس کا عارضی حل پیش کر دیا ہے۔ رپورٹ کے چھٹے پیراگراف میں مذکور ہے۔

ریاستی پرجا مطالبہ کرتی ہے۔ کہ جب تک ریاستوں میں ذمہ وار حکومت قائم نہیں ہوتی مستقل نندٹیٹ کمیشن قائم کر دیا جائے۔ تا کہ والیانِ ریاست کو اپنے اختیارات کے ناجائز استعمال سے روکا جا سکے"۔ دوسرے الفاظ میں اس مطالبہ کا یہ مدعا ہے۔ کہ جب تک ریاستیں داخلی خودمختاری اور فیڈریشن

کے لئے تیار نہیں ہو جاتیں۔ ان کا نظم و نسق منڈیٹ نظام کے ماتحت کر دینا چاہیئے۔

رومن قانون میں منڈیٹ ایک ایسا معاہدہ ہے۔ جس کی رو سے کوئی شخص بلا معاوضہ کسی خدمت کے انجام دینے کا اقرار کرتا ہے۔ یہ نظام جمیعت اقوام کے دستور کی دفعہ ۲۲ کے مطابق جرمن اور ٹرکش نو آبادیات میں رائج کیا گیا تھا۔ جنگ سے قبل ان میں سے چند نو آبادیات کو اتحادی اقوام کی طرف حلف دیا گیا تھا۔ کہ وہ چھوٹی اقوام کی خاطر لڑ رہی ہیں۔ اور انہیں اجنبی اقتدار کے جوئے سے نجات دلا کر آزاد کر دیا جائے گا۔ جنگ کے خاتمہ پر اتحادی اپنے قول و اقرار سے پھرنا چاہتے تھے۔ مگر ان لوگوں کو اس قابل نہ سمجھا گیا۔ کہ وہ زیادہ ترقی یافتہ اقوام کے ہم پلہ پوزیشن اختیار کر سکیں۔ اس مشکل کا حل منڈیٹ سسٹم تجویز کیا گیا۔ اس لئے منڈیٹ سسٹم میں تہذیب کی مقدس امانت کے طور پر جمیعت اقوام کی طرف سے ان ریاستوں کو عارضی طور پر مذکورہ نو آبادیات پر اختیار قائم کرنے کا حق دیا گیا۔ جو اپنے وسیع ذرائع کی بنا پر اس ذمہ داری کو بہترین طور پر اٹھا سکیں۔

یا اکٹھا نے پر رضامند ہوں "

ہم اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں حق بجانب ہیں - کہ ریاستوں میں منڈیٹ سسٹم نافذ کیا جائے - ریاستوں کی بدنظمی ہمارے سامنے ہے - اور برطانوی حکومت کا یہ وعدہ بھی - کہ وہ بدانتظامی سے چشم پوشی نہیں کر سکتی - نیز تاج کے وہ معاہدہ جات بھی ہمارے سامنے ہیں جو انہوں نے ریاستوں سے کر رکھے ہیں - اور جن کا مفہوم یہ ہے - کہ الحاق "اقتدار اعلیٰ" کا نصب العین نہیں -

سسٹم تمام پارٹیوں کی خوشنودی حاصل کرے گا - ریاستی رعایا اُسے ذمہ وار حکومت اور قانونی حکمرانی کا قطعی حق سمجھتے ہوئے خوش آمدید کہے گی - ہندوستان اس لئے پسند کرے گا - کہ ۵۶۲ علیحدہ علیحدہ قلمروؤں سے ہر بات پر مشورہ لینے کی بجائے ایک طاقت سے بآسانی بات چیت ہو سکے گی - والیان ریاست کو اس پہ اس لئے کوئی خاص اعتراض نہ ہو گا - کہ یہ نظام انہیں شہنشاہ سلامت اور تاج کے زیادہ قریب کر دے گا - اور یہی وہ بات ہے - جس کی وہ آئے روز رٹ لگاتے رہتے ہیں -

چند اخبارات اگرچہ برطانوی ہندوستان کے نظم و نسق میں خانے نکالنے کی تاک میں مشغول رہتے ہیں۔ مگر ریاستی امورات کی طرف توجہ دینے کی کوشش نہیں کی جاتی اس ناعاقبت اندیشی کی مثال ہیٹلر کمیٹی کی رپورٹ کا پندرواں پیرا ہے۔

ایک طویل عرصہ تک وہ قدیم روش اختیار کئے رہے مگر انہیں بھی منتہائے کار جدید سپرٹ کے ساتھ چلنا پڑا۔ ان کی یہ کوشش کہ ریاستی معاملات میں اصلاح لائی جائے۔ متعدد صورتوں میں کامیابی حاصل کر چکی ہیں۔ پہلے درجہ کی ۱۰۸ ریاستوں میں صرف ۳۰ ریاستیں ایسی ہیں۔ جنہوں نے لیجسلیٹو کونسلیں قائم کر رکھی ہیں۔ یہ کونسلیں زیادہ تر مشاورتی نوعیت کی ہیں۔ ۴۰ میں برطانوی ہند کے نمونہ پر ہائی کورٹیں قائم ہیں۔ ۳۴ میں ایگزکٹو و محکمہ ہائے عدل و انصاف علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ۵۶ نے حکمرانوں کی تنخواہیں مقرر کر رکھی ہیں۔ ۴۵ میں پنشن یا پراویڈنٹ فنڈ مروّج ہیں۔ بلاشبہ چند ایک ریاستوں میں یہ اصلاحات ابھی ابتدائی مراحل پر ہیں۔ یا یہ کہئے کہ محض کاغذات پر ہیں۔ اور کچھ ریاستیں ابھی تک پسماندگی

کی حالت میں پڑی ہیں۔ لیکن رعایا میں احساس ذمہ داری سال بہ سال بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اور ایک نئی روح بیدار ہو رہی ہے"۔

اس تاریخی ریکارڈ کی اہمیت کا اندازہ اس فقرہ سے لگانا چاہیئے۔ کہ اصلاحات "بلاشبہ ابھی ابتدائی مراحل پر ہیں۔ یا یہ کہیئے کہ محض کاغذات پر ہیں"۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ بٹلر کمیٹی کا ہر ایک لفظ مبنی بر صداقت ہے۔ تو معلوم ہوگا کہ ۵۶۲ ریاستوں سے ۵۳۲ میں کسی قسم کی لیجسلیٹو کونسل کاغذات تک پر موجود نہیں۔ ۵۲۰ ہائی کورٹ یا کسی نوعیت کی عدالتہائے بالا سے محروم ہیں۔ ۵۲۸ میں ایگزیکٹو اور عدالتی فرائض ایک ہی انسان کے سپرد ہیں۔ ۵۰۰ میں والیٔ ریاست کے مصرفات مقرر نہیں۔ ۵۷۷ میں ملازمتوں کے آئین و ضوابط موجود نہیں۔ مجملاً ۵۶۲ میں سے ۵۰۰ نے بٹلر کمیٹی کی ذکر کردہ اصلاحات نافذ نہیں کیں۔ جن میں بیشتر بلاشبہ ابھی تک ابتدائی مراحل پر ہیں۔

اب آپ اس بات کا مشاہدہ کریں کہ حکمران کیونکر وقت کے ساتھ ساتھ چلنے کی کوششوں میں سرگرداں ہیں۔ حسب ذیل اعداد و شمار ریاست خیرپور کی سرکاری رپورٹ سے لئے گئے

ہیں۔ ریاست کی سالانہ آمدنی ۲۳ لاکھ سے ۲۸ لاکھ روپیہ کے بین بین ہے۔ ۱۹۲۵-۲۶ء میں حکمران کے ذاتی مصرفات کا تخمینہ ۴،۹۹،۰۰۰ روپیہ تھا۔ ریاستی جاہ و جلال پر صرف شدہ ۱،۸۵،۰۰۰ روپے اس میں شامل نہیں۔ جبکہ سالانہ آمدنی ۲۵ لاکھ روپیہ کے لگ بھگ تھی۔ ۱۹۲۶-۲۷ء میں سالانہ آمدنی ۲۳ لاکھ روپیہ ہوئی۔ حکمران کے ذاتی مصرفات ۳،۵۷،۰۰۰ تھے۔ اور ریاستی جاہ و جلال پر صرف شدہ ۱،۲۵،۰۰۰ روپیہ۔ مگر شاہی خاندان کے چند افراد کی تنخواہیں ۷۲،۰۰۰ سے ۱،۹۸،۰۰۰ تک جا پہنچیں۔ ۱۹۲۸ء میں حضور ہز ہائی نس نے اپنے ذاتی اخراجات پر ۴،۲۰،۰۰۰ روپے صرف کئے۔ اس کے علاوہ ایک لاکھ روپیہ کی رقم آپ نے اپنی شادی کے لئے حاصل کی (یہ پہلی شادی نہ تھی) اور ۶،۱۰،۰۰۰ ریاستی جاہ و جلال کے لئے شاہی خاندان کے گزارہ میں پھر اضافہ ہوا۔ اس طرح پہلے سال کے ۱،۹۸،۰۰۰ اس سال ۲،۳۰،۰۰۰ ہو گئے۔ حکمران اور شاہی خاندان کے مجموعی خرچ کا اندازہ ۱۰،۵۰،۰۰۰ روپیہ تھا۔ شاہی اصطبل اور موٹر کاروں پر صرف شدہ ۱،۶۰،۰۰۰ اس سے ماسوا ہیں۔ اس سال سالانہ آمدنی ۲۶ لاکھ روپیہ تھی ۱۹۲۸-۲۹ء

ہیں شاہی اخراجات مقرر کرنے کا فیصلہ کیا گیا - لہذا پہلی بار والی ریاست کی مقررہ تنخواہ رپورٹ میں طبع ہوئی - یہ ۴۰۰۰۰۰ روپیہ دکھائی گئی تھی - شاہ والی شان کی بیویوں کے مصرفات علیحدہ شق میں رکھے گئے ہیں - حرم شاہی کے اخراجات کا اندازہ ۱۰۴۰۰۰ روپیہ بتایا گیا ہے - اور ۱۷۸۰۰۰ روپیہ شاہی خاندان کے دوسرے معزز ممبران پر صرف ہوا - اس کے بعد حکومت ہند کی طرف سے ایک فنانشل کمشنر مقرر کیا گیا - اور حکمران کے جاہ وحشمت کے مصرفات ۲۲۰۰۰ روپیہ مقرر کر دئے -

اس نے موٹر کاروں اور اصطبل کے اخراجات ۶۰۰۰۰ سے ۲۰۰۰۰ کر دئے - با ایں ہمہ آپ کے ایک پرائیویٹ سیکرٹری کے لئے ۲۰۰۰۰ روپیہ سالانہ کی گنجائش چھوڑ دی گئی - اسطرح اخراجات جہاں کے تہاں رہے - یعنی ۳۵ سے ۴۰ فیصدی کے درمیان درمیان -

اسی ریاست سے متعلق چند اور حقائق بھی خاص دلچسپی کے مظہر ہیں - ۲۹-۱۹۲۸ء میں ۹۳۰۰۰ لوگوں کی تعلیم و حفظان صحت پر صرف شدہ رقم ۱۳۳۰۰۰ روپیہ تھی - یا تقریباً تقریباً حرم شاہی پر صرف شدہ رقم کے مساوی مساوی -

۱۹۲۷-۲۸ء میں حضور ہزہائی نس کی شادی پر صرف شدہ اخراجات سے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ریاست کے محکمہ میڈیکل اور حفظان صحت کے سہ سالہ اخراجات پورے کئے جا سکتے ہیں۔ ۱۹۲۶-۲۷ء میں ہزہائی نس دو دفعہ ریاست سے باہر تشریف لے گئے۔ پہلی دفعہ چھ دن کے لئے۔ اور دوسری دفعہ چار روز کے لئے۔ اس دس روزہ سفر پر ۰۰۰ ۴ ۵ روپے صرف ہوئے۔ یا یوں کہیئے کہ ریاست کے محکمہ ہائے عدل و انصاف اور جیل خانہ جات کے سالانہ مصارف سے بھی زیادہ۔ دوسری ریاستوں کی سرکاری رپورٹوں سے "حکمرانوں کے وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ چلنے کی" اس سے مختلف مثالیں نہیں ملتیں۔

چند سال ہوئے۔ ایک والی ریاست چار روزہ کے دورہ پر شملہ تشریف لے گئے۔ ہزہائی نس کے اخراجات حسب ذیل تھے۔

ریاست سے کالکا تک ۲۳ موٹر کاروں کا خرچ۔	۴۳۰۰۰
واپسی	۴۳۰۰۰
عملہ کا ریل گاڑی کا خرچ	۱۳۷۰

گاڑی کے ایک ڈبہ کے آنے جانے کا خرچ	۷۲۰
ہوٹل	۴۵۰۰
متفرق	۷۰۰۰
ہوٹل میں قیام	۱۰۵۰
میزان	۲۳۲۴۰

یہ ہے کفایت شعارانہ زندگی کی مثال - جس کی مدح میں راج پیپلا کے مہاراجہ صاحب لنڈن کے ڈیلی میل میں رطب اللسان ہیں -

مذکورہ بالا شہادت کی روشنی میں - یہ معلوم کرنا مشکل ہے - کہ کس مسالہ کی بنا پر بٹلر کمیٹی نے خوش امیدی کا اظہار کیا ہے - بلاشبہ والیانِ ریاست بحیثیت مجموعی محسوس کر رہے ہیں - کہ ملک میں ایک نئی روح بیدار ہو رہی ہے - مگر یہ حقیقت نہیں - کہ ان کی اکثریت یا بیشتر تعداد نیک نیتی سے وقت کی ضروریات کے مطابق اپنے نظام حکومت کو ڈھالنے پر بیتاب ہے - ان میں متعدد بار بار شہنشاہ سلامت سے اپنی وفاداری کا اظہار کرتے ہیں - یعنی وہ یہ سمجھتے ہیں - کہ اسطرح وہ بدنظمی کے نتائج سے اماں خرید لینگے - دیگر ابھی تک فرسودہ دستاویزوں پر آس لگائے بیٹھے ہیں -

میر عثمان ہمیں ایک دوسرے کی ضرورت ہے

جب ۲۰ ستمبر ۱۹۲۵ء کو نظام حیدر آباد نے اپنا یہ تاریخی مطالبہ لارڈ ریڈنگ کے سامنے پیش کیا۔ کہ ریاست حیدر آباد حکومتِ ہند کے ساتھ مساوی تعلقات رکھتی ہے اور ان میں کسی تابعیت اور بندش کو کوئی دخل حاصل نہیں۔ تو سیاسی دنیا میں کوئی کم کھلبلی پیدا نہ ہوئی۔ چنانچہ اس مسئلہ پر ہر طرف سے لے دے ہونے لگی۔

نظام اکیلے ہی اس کا دعوے دار نہ تھا۔ والیانِ ریاست کی اکثریت نہایت دیانتداری سے تمام شاہانہ مراعات و اعزازات

کے ساتھ مکمل حقوق بادشاہت کی دعوے دار تھی۔ ان کے سازو سامان اور ان کی زبان ہر طرح خسروانہ تھی۔ وہ اپنے تختوں، اپنے شاہی خاندانوں، ولیعہدوں اور پرنس آف ویلزوں کا ذکر کرتے۔ اس کے برعکس حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ وہ ایسے اختلافی مسئلوں کو چھیڑنا پسند نہ کرتی تھی۔ جب کوئی افسر وایسرائے کی توجہ ایسے مسائل کی طرف دلانے کی کوشش کرتا تو اسے یہی جواب دیا جاتا۔ کہ اسے پڑا رہنے دو۔ مگر ان سے کب تک لاپرواہی ہوتی جا سکتی تھی۔ آخر لارڈ ریڈنگ نے یہ محسوس کیا کہ ممکن ہے ان کی خاموشی کا مطلب یہ لیا جائے۔ کہ حکومتِ ہند والیانِ ریاست کے دعاوی کی معترف ہے اس لئے آپ نے نظام کو لکھا۔ ۲۷ مارچ ۱۹۲۶ء۔

"ہندوستان میں برطانوی تاج کی فرمانروایانہ حیثیت فوق و برتر ہے۔ اس لئے کوئی ہندوستانی ریاست کو حکومتِ ہند سے مساوی بنیادوں پر بات چیت کرنے کی مجاز نہیں"۔

اس جھگڑا کو طے کرنے کے لئے بٹلر کمیٹی کا وجود عمل میں لایا گیا۔ حکومت ہند نے بڑی خوشی سے ایسی کمیٹی کا تقرر عمل میں لانا منظور کر لیا۔ اس کے سامنے یہ خیال تھا کہ

اس سے ہمیشہ کے لئے اس بحث کا خاتمہ ہو جائے گا۔ دوسری طرف والیانِ ریاست تھے۔ چونکہ اس کمیٹی کا تقرر ان کے ایما پر عمل میں لایا گیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کیا۔ ان کے پیش نظر یہ امید موہوم تھی۔ کہ یہ ہمیشہ کے لئے ان کی اندرونی بادشاہت تسلیم کرنے پر منتج ہو گی۔ کمیٹی نے ان امورات کا تصفیہ کرنا تھا۔

(۱) مقتدر طاقت اور ہندوستانی ریاستوں کے درمیان روابط کے متعلق حسب ذیل قضیوں سے پیدا ہونے والے حقوق اور مراعات پر رپورٹ کرنا۔

(الف) معاہدہ جات، عہد و پیمان اور سندیں۔

(ب) دستور، مرضی، منشا اور دیگر وجوہات

(۲) برطانوی ہند اور ریاستوں کے درمیان مالیاتی اور اقتصادی روابط و تعلقات کی تحقیقات کرنا، اور ان تعلقات میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے مناسب و ضروری سفارشات کرنا۔

کمیٹی نے ۱۵ ریاستوں کا معائنہ کیا۔ ہندوستان میں ۸۰۰۰ میل کا سفر کیا۔ اور غیر رسمی طور پر ۴۸ افراد کی شہادتیں سنیں۔

ریاستوں کا دورہ کرنے کے بعد موسم گرما میں کمیٹی کی کارروائی ملتوی ہو گئی۔ اور بعینہٖ کارروائی انگلستان میں عمل میں آئی۔ جہاں مشہور معروف قانون دان حضرات نے سر لیزلے سکاٹ کی راہنمائی میں ریاستوں کی ترجمانی کی۔ کارروائی خفیہ تھی۔ اور کمیٹی نے سٹیٹس پیپلز کانفرنس کے نمائندوں کی بات چیت سننے سے انکار کر دیا۔ ہم کچھ کہہ نہیں سکتے۔ کہ کارروائی صیغہ راز میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ والیانِ ریاست نے اپنے مطالبات پر زور دینے کے لئے پراپیگنڈا پر کثیر روپیہ صرف کر ڈالا۔ لیکن ان کی بہترین کوششوں کے باوجود کمیٹی کا فیصلہ ان کے خلاف رہا۔ آئینی مسائل مثلاً فرمانروائی، فوقیتِ اختیارات و مراعات پر مقتدر طاقت کے حق میں مہر تصدیق ثبت ہو گی لہٰذا یہ دیکھ کر مجلس مہاراجگان آپے سے باہر ہو گئی۔

(۲۱)

مجلس مہاراجگان کا نکتہ نظر سمجھ لینے کے بعد، ہر کورٹ ٹبلر اور آپ کے ساتھیوں نے حسب ذیل جواب دیا۔

(۱) ہم اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ ریاستوں سے سرکارِ ہند کے تعلقات کا مدعا تاج سے تعلقات ہیں۔ یعنی ان کے

معاہدہ جات تاج سے ہیں۔ اور وہ معاہدہ جات ایسے رشتے ہیں جن سے ریاستوں اور تاج کے درمیان بندھن قائم ہے۔ ہم اس بات سے اتفاق کرتے ہیں۔ کہ یہ کہنا درست نہیں۔ کہ ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ معاہدہ جات کو بحیثیت مجموعی ایک ایسے اصول کے لیا جائے۔ جس کے خلاف کھتوری ڈمل میں کھلے اعتراضات موجود ہیں۔

(۲) دوسری طرف ہمیں کئی چیزوں سے اتفاق نہیں۔ ریاستوں کے سرکار ہند سے ان برقرار تعلقات کی نوعیت منابحرانہ نہیں۔ جو آج سے ایک صدی پیشتر قائم ہوئے تھے۔ وہ تو ایسے جدید اور روزمرہ کے بڑھتے ہوئے تعلقات ہیں جنہیں تواریخ کھتوری اور روزمرہ کے مرکب بنے حالات و پالیسی کے مطابق ڈھالا ہے۔ اور ہم طاقت کی ایسی برتری کے قائل نہیں جو ان معاہدہ جات میں موجود نہ ہو۔

(۳) تاریخ اس بات کی شاہد نہیں۔ کہ جب ہندوستانی ریاستوں کا برطانوی طاقت کے ساتھ سابقہ پڑا۔ تو وہ آزاد طاقتیں تھیں۔ اور انہیں وہ تمام مراعات حاصل تھیں۔ جو ایک قانون دان کی نظروں میں ایک بین الاقوامی طاقت کو حاصل ہوتی

ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے۔ کہ کسی بھی ریاست کو بین الاقوامی درجہ حاصل نہ تھا۔ تقریباً سب کی سب مغل شہنشاہ مرہٹوں یا سکھ حکومت کے ماتحت یا باجگذار ریاستیں تھیں۔ چند ایک نے برطانوی پناہ میں اپنی زندگی مول لی۔ باقی کو برطانوی طاقت نے ضرورت کے مطابق جنم دیا۔

(۴) ہمیں اس بات سے اتفاق نہیں۔ کہ دستور کسی طرح فی نفسہٖ بے جان ہے۔ دستور نے اولیں ایام سے یا چند حالتوں میں معاہدہ جات کے قیام سے ہندوستانی ریاستوں اور مقتدر طاقت کے درمیان تعلقات کو تشکیل دی ہے۔ دستور کو ۱۸۹۰ء کے فارن جیورسڈکشن ایکٹ کے دیباچہ میں حلقۂ اختیار کے سرچشمہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

(۵) ۱۸۷۷ء میں حکومت ہند نے اس رائے کا اظہار کیا۔ کہ "برطانوی حکومت کی فوق حیثیت بتدریج پیدا ہوئی۔ جزوی طور پر معاہدہ جات اور جزوی طور پر عام دستور سے اقبال حاصل ہوا برطانوی طاقت اور ہندوستانی ریاستوں کے درمیان تعلقات کی صحیح نوعیت کا اندازہ لگانا ہو۔ تو اُن واقعات، معاہدہ جات اور چارٹروں کو جنمیں باہمی حقوق اور فرائض کا ذکر ہے۔ اور ان

حالات کو زیرِ نظر رکھنا چاہیئے۔ جن کے ماتحت یہ مسودات تیار کیئے تھے۔ ریاستیں ہوں یا انسان، ان کی زندگی میں تحریری دعوے اعلانیہ اور کھلم کھلا افعال کے ذریعہ اپنی ہستی ضائع کر بیٹھتے ہیں۔ اور مسلسل و طویل عرصہ سے جو عمل رائج ہو جائے۔ نیز جس پارٹی کے خلاف اس عمل کا رخ ہو، چاہے وہ برطانی حکومت ہو یا ہندوستانی، ریاستیں، اگر وہ خاموشی سے اس راہ پر گامزن رہیں۔ تو اصل میں وہی عمل طرفین کے اصل تعلقات کا صحیح ترجمان ہو گا۔"

تاریخ اس بات کی گواہی نہیں دیتی۔ کہ تاج کو بڑا درجہ محض خاص حقوق کے طفیل حاصل ہوا ہے۔ اور خاص فرائض کی ادائیگی یعنی بیرونی معاملات اور ریاستوں کے اندرونی اور بیرونی تحفظ کے سوالات کو چھوڑ کر اسے کسی بات میں دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

سرکارِ ہند اس وقت تک اپنے فرائض سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ جب تک وہ اس راہ پر گامزن نہ ہو۔ جو تاج اپنے خسروانہ مقاصد کے زیرِ نظر ہندوستان کی مجموعی فلاح، منفرد ریاستوں کی بہتر حکومت، وحشیانہ رسومات کی منسوخی اور انسانی زندگی کے تحفظ کے لئے ضروری خیال کرتا ہے۔ تاریخ اس بات کی گواہ نہیں۔ کہ وہ "متابعانہ تعاون" کی اصلاح صرف فوجی معاملات سے متعلق ہے۔"

(۷) ہمارا واسطہ ان تعلقات سے ہے۔ جو مقتدر طاقت اور ریاستوں میں آج برقرار ہیں۔ یعنی جو تعلقات حالات اور تبدیلیوں سے پیدا ہوئے۔

(الف) ہندوستانی ریاستوں کو بین الاقوامی حیثیت حاصل نہیں۔ بین الاقوامی مقاصد کے لئے ریاستی علاقہ جات کو وہی حیثیت حاصل ہے۔ جو برطانوی رعایا کو۔ چونکہ بیرونی طاقتوں کے سامنے اس بات کا برطانوی ہند ذمہ وار ہے۔ کہ کسی ریاست میں رعایا پر کیوں مظالم ڈھائے گئے۔ اس لئے مقتدر طاقت پر فرض عائد ہوتا ہے۔ کہ وہ ریاستوں میں اس بات کا خیال رکھے۔ کہ پرجا کی حالت بہتر ہو۔ اس کے متعلق پروفیسر ولیسٹک نے نہایت درست فرمایا ہے۔ کہ یہ فرائض ریاست کے سپرد اس حیثیت سے کئے گئے ہیں۔ کہ وہ برطانوی سلطنت کی منتظم نمائندہ ہیں"۔

(ب) مقتدر طاقت برطانوی ہند اور ریاستی ہند دونوں کے دفاع کی ذمہ وار ہے۔ اور اس حیثیت سے اُسے دفاع یعنی فوج، اسلحہ، بارود اور رسل و رسائل سے متعلق کلی اختیارات حاصل ہیں۔

لہذا اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ کہ مقتدر طاقت کے

پاس سڑکوں، ریلوے ہوابازی، ڈاکخانہ جات، تارگھروں، ٹیلیفون، وائرلس، قلعوں، فوجوں کے راستوں، اور اسلحہ کے متعلق پورے پورے ذرائع ہونے چاہییں۔ جن سے وہ حسبِ ضرورت ضروری نقل و حرکت کر سکے۔

(ج) مقتدر طاقت پر کسی حکمران کو بغاوت سے محفوظ رکھنے کے ساتھ یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے۔ کہ وہ بغاوت کے اسباب کی تحقیقات کرے۔ اور اس بات کا مطالبہ کرے کہ والیٔ ریاست رعایا پر ظلم و جبر سے باز رہے۔ اور یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ مقتدر طاقت اس مقصد کے لئے خود تجاویز پیش کرے۔

حضور شہنشاہ سلامت کے اس وعدہ کے ساتھ کہ والیانِ ریاست کے حقوق، مراعات اور جاہ و حشم برقرار رکھے جائیں گے۔ تاج پر والیٔ ریاست کو کسی ایسے حملے سے محفوظ رکھنے کی ذمہ واری بھی عائد ہوتی ہے۔ جس کا مقصد والیٔ ریاست کو تخت سے محروم کرنا ہو یا اس کی جگہ کسی اور قسم کی حکومت قائم کرنا ہو۔

اگر اس کی وجہ بدانتظامی کی بجائے تبدیلی کا وہ مقبولِ عام جذبہ ہو جو ہر طرف پھیل رہا ہے۔ تو مقتدر طاقت حکمران کے جملہ حقوق اور مراعات کی حفاظت پر مجبور ہو گی۔ لیکن اس کے باوجود

اسے ایسی تجاویز پیش کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ جن سے حکمران کو علیحدہ کئے بغیر لوگوں کا مطالبہ پورا کیا جا سکے۔ ابھی تک کوئی واقعہ ایسا رونما نہیں ہوا۔ اگر والیانِ ریاست کا نظامِ حکومت بہتر اور منصفانہ ہوا اور اگر خزانہ کے متعلق ہز اکسیلینسی لارڈ اروِن کی تجاویز پر عمل کیا جاتا رہا۔ تو مستقبل میں بھی کسی ایسے واقعہ کے رونما ہونے کا کوئی امکان نہیں۔

(د) مداخلت کی تاریخ پر بحث کی جا چکی ہے۔ مداخلت والیِ ریاست اور بحیثیت مجموعی ہندوستان کے مفاد میں کی جائے گی۔

"در اصل ریاستی بادشاہت میں مداخلت بحیثیتِ مجموعی ہندوستان کے اقتصادی مفاد میں مفید ہے۔ اس لئے مقتدر طاقت اپنے اختیارات سے کام لینے میں حق بجانب ہے۔ اگر کسی حالت میں برطانوی ہند اور ریاستی ہندوستان کے اقتصادی مفادات میں ٹکر ہوتی ہو۔ تو مقتدر طاقت کا صرف برطانوی ہندوستان کے اقتصادی معاملات میں دخل دینا مناسب نہیں۔"

(۸) یہ ہیں مقتدر طاقت کے اختیارات کی چند مثالیں۔ ہم نے اپنے پیشرووں کی طرح کوئی ایسا فارمولا ڈھونڈنے کی پوری کوشش کی ہے جس کی روشنی میں مقتدر طاقت اپنے اختیارات استعمال میں

لائے۔ لیکن ہم ایسا کرنے میں اپنے پیشروں کی طرح ناکام رہے ہیں۔ اس ناکامی کا سبب بالکل واضح ہے۔ بدل رہی دنیا میں حالات نہایت سرعت سے تبدیل ہو رہے ہیں۔ امپیریل ضروریات اور نئے حالات، بروقت غیر متوقع صورت حالات پیدا کر سکتے ہیں۔ مقتدر طاقت کے لئے برتر طاقت رہنا ضروری ہے۔ اس پر ریاستوں کی ترقی پسندانہ ترقی اور نت نئی ضروریات کے مطابق اپنے فرائض سنبھالنے کی ذمہ واری عائد ہوتی ہے۔ ریاستوں کو اس نتیجہ سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ مقتدر طاقت ہی ہے۔ جس کے ذریعہ ریاستوں اور تاج کے درمیان ان مضبوط اور مبارک روابط نے فروغ پایا۔ جن پر والیان ریاست ہر وقت بھروسہ رکھ سکتے ہیں۔ یہ مقتدر طاقت ہی ہے۔ جس پر ریاستیں اپنے اور اپنی آنے والی نسلوں کے تحفظ کا بھروسہ رکھ سکتی ہیں۔ اور یہ مقتدر طاقت ہی ہے۔ جس کے ذریعہ تباہی یا الحاق کا خطرہ دور ہوتا ہے۔"

(۹) حسبِ بالا حقائق کے زیر نظر ریاستیں مطالبہ کرتی ہیں۔ کہ ان کی مرضی و منشا کے بغیر مقتدر طاقت کے فرائض و حقوق ایسے لوگوں کے سپرد نہ کئے جائیں۔ جو اس کے کنٹرول کے ماتحت نہ ہوں۔ مثلاً برطانوی ہندوستان میں کسی ایسی ہندوستانی حکومت کے سپرد یہ

کام نہ کیا جائے۔ جو ہندوستانی مجلس آئین ساز کے سامنے جواب دہ ہو؟"

اقتصادی لحاظ سے کمیٹی کے فیصلہ کا لب و لباب حسب ذیل ہے۔

(۱) بحری محصولات میں حصہ کے مطالبہ کو اس شرط کے ماتحت منظور کیا جاتا ہے۔ کہ ریاستیں امپیریل اور صوبائی حکومتوں کے مالیاتی بوجھ برداشت کرنے کا وعدہ کریں۔

(۲) ریلوے، کانوں، ٹکسال، نمک، ڈاکخانہ جات، وائرلس ٹیلیفون، افیون، اور اشیاء منشیات کے متعلق ریاستوں کے تمام مالیاتی دعوے ماسوا چند معمولی معاملات میں رد کئے جاتے ہیں۔

MC LIBRARY Nankana Sahib
Acc. NO: 00433NS
Date: 06-11-2022
Managed by Chughtai Public Library

محمد رفیق پرنٹر و پبلشر نے مرکنٹائل پریس لاہور میں چھپوا کر ادبستان لاہور سے شائع کی

غلط نامہ

اس کتاب میں پوری احتیاط کے باوجود کتابت کی کئی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے۔ کہ ہماری یہ ازلبس خواہش تھی۔ کہ ہم اسے کانگرس کے میرٹھ اجلاس پر لے جا سکیں۔ بہرحال آئندہ ایڈیشن میں یہ غلطیاں آپ کی نظر سے نہ گزریں گی۔

مینیجر
جنتا پبلشرز لمیٹڈ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۵	۱۷	قضیہ معزول	قضیہ پر معزول	۵۸	۲	حمایت	جماعت
۲۴	۶	کہہ	کر	؍؍	۴	رہتے ہیں	رہتی ہے
۳۴	۶	مجلسِ متعلقہ	مجلسِ مستقلہ	؍؍	۱۴	حسمانی	جسمانی
؍؍	۱۵	حاصل کام	حاصل کلام	۷۲	۴	اربین	اراکین
۴۳	۸	پندرہ روز	پندرہ روزہ	۷۳	۱۵	عام چھلوں	دم چھلوں
۴۴	۱۳	مسالحہ	مسالہ	۷۸	۸	اطور	اطوار
۴۹	۱۳	جانے بعد	جانے پر	۸۶	۴	کوہیما	کوٹھیا
؍؍	۱۵	توجیہات	توجہات	؍؍	؍؍	غارت گر چند	غارت گرِ حسن
				۹۶	۷	دے	دیئے
۵۶	۲	دل ہوں	دل ہوں گے	؍؍	۱۵	کم ہیں ہوا راجہ	کم سن ہیں جو
؍؍	۴	کامل	کاہل	۹۹	۳	عہد	عہدہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳۰	۹	اسی	اس
۱۳۸	۸	مسالحہ	مسالہ
۱۴۱	۳	ثور	صور
۱۴۴	۸	بیاہتہ	بیاہتا
۱۵۵	۱۱	مراقعہ	مراقعہ
۱۵۷	۱۰	مرچلے	مرچکے
۱۶۲	۷	کرنیکو	کرنیکے
۱۶۵	۹	پرچا	پرجا
۱۷۳	۱۱	مراقعہ	مراقعہ
۱۷۷	۷	ہیں	نہیں
۱۸۱	۱۰	کیلئے	نے
۱۸۶	۷	مل	مَسل
۲۰۲	۱۵	ریاست	ریاست کے
۲۱۱	۱۳	دلی	دبی
۲۱۲	۹	جزیہ	جزبہ
۲۱۳	۱۱	کے	نے
۲۳۲	۸	رطب انسان	رطب اللسان
۲۳۸	۷	فی نفہی	فی نفسہٖ
〃	۱۰	ایک	ایکٹ

MUNICIPAL LIBRARY
Nankana
Sahib.

(مرکنٹائل پریس لاہور)